اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | ربیع الاول ۱۴۴۶ھ | ستمبر ۲۰۲۴ء | شمارہ ۹

اصلاح ذات البین

(نااتفاقی اور فساد کی اصلاح) (قسط اول)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زرسالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ لاہور پاکستان

وعظ

اصلاح ذات البین

(نااتفاقی اور فساد کی اصلاح) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بروز پنجشنبہ محلّہ قلعہ جلال آباد ضلع مظفر نگر میں تین گھنٹہ بیس منٹ تک کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا جس میں نا اتفاقی کے مفاسد اور اتفاق محمود کی حقیقت واضح کی گئی۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے قلمبند فرمایا۔

اسی حدیث پر حضرت نے ایک وعظ الانسداد للفساد کے نام سے ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ کو مظفر نگر یوپی حافظ سخاوت علی مرحوم کے گھر کے صحن میں کرسی پر بیٹھ کر تین گھنٹہ بیان کیا تھا خواتین کے علاوہ ۵۰۰ مرد حضرات سامعین تھے۔ یہ وعظ دارالعلوم الاسلامیہ سے ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ میں طبع ہوا تھا۔

نوٹ: وعظ کی طوالت کے پیش نظر دو قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

15/5/2024

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
①	تمہید	۷
②	حسب ضرورت مضمون	۷
③	مجلس شیعہ میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ	۸
④	مقصود بیان	۱۲
⑤	انطباق وعظ	۱۳
⑥	حصول یکسوئی	۱۴
⑦	جمال شریعت	۱۵
⑧	مزاج شناسی کی ضرورت	۱۶
⑨	ہجرت مکہ مکرمہ کے آداب	۱۹
⑩	جہاد نفس	۲۱
⑪	جہاد عشاق	۲۲
⑫	اشتیاق مکہ مکرمہ	۲۳
⑬	علماء پر نا اتفاقی کا الزام	۲۶
⑭	انگریزی تعلیم کی ممانعت کا الزام	۲۶
⑮	گیارہویں کا اختلاف	۲۸
⑯	خطبۃ الوداع کا اختلاف	۲۹
⑰	باہمی اتفاق کا طریق کار	۳۰

⑱ ..... تحقیق حق ۳۲

⑲ ..... حدود اتفاق ۳۴

⑳ ..... عوامی اتفاق ۳۵

㉑ ..... اختلاف محمود ۳۷

㉒ ..... مذمت فساد ۳۸

㉓ ..... لطف زندگانی ۳۸

㉔ ..... کیفیت اہل اللہ ۴۰

㉕ ..... لذت غم آخرت ۴۲

㉖ ..... حقیقت راحت ۴۴

㉗ ..... فساد باہمی کے اثرات ۴۶

㉘ ..... اخبار الجامعہ ۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد!

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم وفساد ذات البین فانھا ھی الحالقۃ لا اقول انھا تحلق الشعر ولکن تحلق الدین[1]

تمہید

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا جس میں آپ نے آپس کی خرابی و نا اتفاقی و فساد کے ضرر پر مطلع فرمایا ہے ہر چند کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں اور نیا ہونا بھی نہ چاہیے کیونکہ اس وقت جو کچھ بیان ہوگا وہ دین کا مضمون ہوگا اور ہمارا دین پرانا ہے تو پھر مضمون نیا کیونکر ہوسکتا ہے پس یہ تو نہ دیکھنا چاہیے کہ مضمون نیا ہے یا نہیں۔

حسب ضرورت مضمون

ہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ ضرورت کے موافق بھی ہے یا نہیں کیونکہ مضمون کا نیا ہونا کچھ خوبی نہیں یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی طبیب ایک نسخہ لکھے اور دعویٰ کرے کہ یہ نسخہ ایسا ہے کہ نہ کسی کتاب میں لکھا ہے نہ کسی طبیب نے تجویز کیا ہے تو اس کو کوئی قبول

[1] ''ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں بگاڑ اور فساد ڈالنے سے بچو کہ وہ مونڈنے والی چیز ہے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے (یعنی فساد باہمی سے دین برباد ہو جاتا ہے)'' مسند أحمد: ۱۶۷

نہ کرے گا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ نسخہ کی خوبی تو یہ ہے کہ حکماء سلف کے اصول کے مطابق ہو اور اس کے اجزاء کی ترتیب کسی طبیب حاذق ① کی رائے سے ہوئی ہو۔ ورنہ گھڑت ہو گی اس کو شریعت میں بدعت کہتے ہیں۔ پس جس طرح نسخہ میں نیا ہونا مطلوب نہیں ۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مزاج کے موافق ہو اور اصول وقواعد کے مطابق ہو۔ اسی طرح وعظ میں بھی یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ مضمون پرانا ہے یا نیا بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ضرورت اور حالات مخاطبین کے مناسب ہے یا نہیں۔

محقق ہمیشہ ضرورت کا لحاظ کر کے وقت اور موقعہ کے موافق مضمون بیان کرتا ہے چاہے وہ پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آج کل واعظ دو قسم کے ہیں ایک تو پیشہ ور واعظ ہیں ان کا مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ مضمون ایسا ہو جس سے مجلس پر رنگ جم جائے چاہے ان کی ضرورت کا ہو یا نہ ہو۔ اسی لئے وہ نئے نئے مضامین کا اہتمام کرتے ہیں اور پرانا مضمون بھی بیان کریں گے تو اس میں ضروت کا لحاظ نہ کریں گے ۔ بلکہ وہ مضمون اختیار کریں گے جس سے مجلس گرم ہو جائے چنانچہ اسی لئے بعضے ہر جگہ شہادت نامہ کو لے دوڑتے ہیں کیونکہ وہ واقعہ ہی ایسا سنگین ہے کہ سنگدل سے سنگدل ② بھی اس سے موم ہو جاتا ہے مگر جو محقق ہیں وہ اس پر نظر نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ ضرورت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مجلس شیعہ میں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ

مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلوی جب لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں اس وقت وہاں شیعہ کی حکومت تھی مولانا ایک سنّی کے مہمان ہوئے جو دربار شاہی میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے اس زمانہ کے اکثر سلاطین میں تعصب نہ تھا اس لئے سنّی بھی ان کے دربار میں عزت سے رہتے تھے۔ جب بادشاہ کو مولانا کا

1 ماہر طبیب ② سخت دل سے سخت دل اس کو سن کر نرم پڑ جاتا ہے۔

تشریف لانا معلوم ہوا تو زیارت کا اشتیاق ہوا۔ کیونکہ مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اور عزت اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا جو علماء میں کسی کو بھی اس زمانہ میں حاصل نہ تھا۔ حالانکہ مولانا اپنے کو مٹائے ہوئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو خاص عزت دی تھی اس کی نظیر اسی قریب زمانہ میں بھی گزر چکی ہے۔ یعنی مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ مولانا نہ مدرس تھے نہ مصنف۔ چنانچہ دیوبند کے مدرسہ میں مدرس اول مولانا محمد یعقوب صاحب تھے مولانا محمد قاسم صاحب خود مدرس نہ تھے اور نہ مولانا نے کوئی کتاب تصنیف کی اور جو رسائل آپ کے نام سے طبع ہوئے ہیں وہ اکثر خطوط کے جوابات ہیں جن کو لوگوں نے طبع کر دیا۔ مگر با ایں ہمہ ① آپ کی عزت وشہرت ایسی تھی کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے۔

یہی حال مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا کہ مخالفین بھی ان کے کمال کو مانے ہوئے تھے۔ چنانچہ بادشاہ لکھنؤ گو مذہباً شیعہ تھے مگر مولانا کا نام سن کر زیارت کے مشتاق ہوئے اور آپ کا وعظ سننا چاہا تو انہوں نے مولانا کے میزبان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں ہم ان کی زیارت کرنا اور وعظ سننا چاہتے ہیں۔ میزبان کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ بلا سر لگی کیونکہ مولانا صاف گو بہت ہیں وہ وعظ میں کسی کی رعایت نہ کریں گے شیعہ کی بھی ضرور خبر لیں گے جو بادشاہ کو ناگوار گزرے گی۔ اس لئے چاہا کہ کسی طرح اس بلا کو ٹالیں مگر ادھر سے اصرار بڑھتا گیا۔ آخر سنّی میزبان نے مولانا سے آکر عرض کیا کہ بادشاہ آپ کی زیارت اور وعظ کے مشتاق ہیں۔ میں کئی روز تک ان کو ٹالتا رہا۔ مگر وہ اصرار پر اصرار کئے جاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ان کی درخواست کو آپ منظور فرمالیں۔ مگر خدا کیلئے وعظ میں شیعہ وسنّی کے اختلاف

---

① اس سب کے باوجود۔

کا ذکر نہ فرمایئے گا کیونکہ بادشاہ شیعی ہے اس کو یہ امر ناگوار ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ اس سے بے فکر رہیں۔ میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں جو کچھ کہوں گا موقع کے مناسب کہوں گا۔ واقعی سچ فرمایا کیونکہ آپ نے تو جو کچھ بھی فرمایا وہ موقع کے مناسب ہی تھا۔ گو بعض کی سمجھ میں نہ آوے اس کے بعد مولانا محل شاہی میں تشریف لے گئے اور بادشاہ نے بڑی تعظیم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا پھر وعظ شروع ہوا۔ جس میں تمام دربار مع بادشاہ کے اور لکھنؤ کے سب علماء اور شیعوں کے مجتہد وغیرہ سبھی جمع تھے۔ مولانا نے تمہید میں فرمایا کہ صاحبو! اول وعظ کی حقیقت سن لیجئے وہ ایک روحانی علاج ہے اور علاج ہوتا ہے امراض کا تو اب اگر میں وعظ کی حقیقت پر نظر کرتا ہوں تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس مرض میں مخاطب مبتلا ہیں۔ اس کا علاج کروں ورنہ پھر وعظ ہی کیا ہوگا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ میں مرض ہے رفض کا[1] مگر ہمارے فلاں میزباں صاحب کہتے ہیں کہ مذہبی نزاعات و خلافیات کا بیان نہ ہو۔ مگر میں وعظ میں اسی بدعت کا علاج کروں گا۔ اس تمہید میں آپ نے میزبان کو بھی آفت سے بچالیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ تو نزاعی مسائل کے بیان سے منع کرتے تھے۔ مگر میں نے ہی ان کی رائے قبول نہ کی تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد مولانا نے ایک آیت پڑھ کر صحابہ کے مناقب بیان کرنا شروع کئے اور ساتھ ہی اہل بیت کے مناقب بھی بیان فرمائے اور درمیان درمیان میں شیعہ وسنّی کے اختلافی مسائل کا بھی بیان فرمایا اور مذہب شیعہ کا خوب ابطال کیا۔ بادشاہ کی تو یہ حالت تھی کہ اول سے آخر تک سکتہ کی سی حالت میں بیٹھے رہے اور وعظ ختم ہوتے ہی بادشاہ اٹھے اور بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض علماء شیعہ کو نواب صاحب کی اس تعظیم و تکریم سے مولانا کے ساتھ حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بعد وعظ کے مولانا پر کچھ اعتراضات شروع کئے

[1] شیعیت کا مرض ہے کہ بادشاہ شیعہ ہے

جن میں سے ایک اعتراض منقول بھی ہے وہ یہ کہ مجتہد شیعہ نے کہا کہ مولانا تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کبھی برا نہیں کہا (اس دعویٰ میں بھی مجتہد نے تقیہ سے کام لیا۔ اور مولانا نے علی سبیل التسلیم ① جواب دیا ورنہ نہج البلاغہ شریف رضی کی موجود ہے۔ جس کو یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و خطبات و مکاتیب کا مجموعہ صحیحہ کہتے ہیں اس کو مطالعہ کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیسا برا بھلا اور سخت سست کہا ہے کلب وابن الکلب ② اور منافق تک کہا ہے اس لیے ہم اس کو موضوع و مفتری ③ سمجھتے کی ہیں۔ ۱۲ جامع) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ آپ کی شان میں گستاخی کی ہے اس سے دونوں کی حالت کا فیصلہ ہوتا ہے مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ان دونوں حضرات کا تو فیصلہ ہوتا ہے مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ان دونوں حضرات کا تو فیصلہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مگر ہمارا اور آپ کا فیصلہ تو ہو ہی گیا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر ہیں ہم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے اور تم رات دن تبرّا کرتے ہو۔ اس جواب سے مجتہد دم بخود رہ گیا۔

بادشاہ نے کہا قبلہ کچھ اور سننا ہو تو اور اعتراض کر لیجئے۔ یہ حکایت میں نے اس پر بیان کی تھی کہ محقق ہمیشہ ضرورت و حالت مخاطب کے لحاظ سے مضمون اختیار کرتا ہے۔ چاہے مکرر ہو یا پرانا ہو۔ کیونکہ وعظ علاج روحانی ہے۔ اور علاج میں ہمیشہ مریض کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک شخص کو بخار ہے تو وہ دس دفعہ بھی حکیم کے پاس جائے گا تو وہ بخار ہی کا نسخہ لکھے گا یہ نہیں کہ آج بخار کا لکھے اور کل کو زکام کھانسی کا۔ پرسوں کو کسی اور مرض کا۔ تا کہ نسخہ مکرر نہ ہو۔ وہ اس کی رعایت کبھی نہ کریگا بلکہ جب تک بخار ہے بخار ہی کا نسخہ دیگا پس لوگ اس کو نہ

① مولانا نے اس کی اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا اگرچہ اس کی بات غلط تھی۔ ② کتا اور کتے کا بچہ اور منافق تک کہا ہے ③ ہمارے نزدیک یہ کتاب من گھڑت روایات پر مبنی جھوٹ کا پلندہ ہے۔

دیکھیں کہ مضمون پرانا ہے یا نیا طالب علاج کو اس سے کیا بحث۔

مقصود بیان

ہاں جو لوگ وعظ کو علاج روحانی سمجھ کر نہیں سنتے بلکہ طالب لذت ہو کر آتے ہیں۔ وہ البتہ ''کل جدید لذیذ'' کے قاعدہ سے نئے نئے مضامین کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ مزا تو واقعی نئی باتوں میں ہے پرانی باتوں میں کیا مزا۔ ''کل جدید لذیذ'' پر مجھے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ یاد آیا کہ مولانا کا معمول تھا کہ امراء کو تو چٹنی ساگ دال پات کھلاتے تھے اور غرباء کو پلاؤ زردہ اور مرغن کھلاتے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا قاعدہ ہے ''کل جدید لذیذ'' نئی چیز مزیدار ہوتی ہے تو میں اپنے مہمانوں کو نئی چیز کھلانا چاہتا ہوں تا کہ لذت زیادہ آوے پس امراء کے لئے تو یہ معمولی کھانے جدید ہیں۔ مرغن تو وہ اپنے گھر میں روز ہی کھاتے ہیں اور غرباء کے لئے مرغن کھانے جدید ہیں۔ یہ تو مولانا کا لطیفہ تھا ورنہ اصل وجہ یہ تھی کہ مولانا کے دل میں غرباء کی وقعت امراء سے زیادہ تھی۔

بہر حال یہ بات صحیح ہے کہ لذت جدید ہی میں ہے اس لئے جو لوگ لذت کیلئے وعظ سنتے ہیں وہ مضامین جدیدہ کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ وعظ سے مقصود لذت نہیں ہے بلکہ علاج امراض ہے۔ پس لذت کے طالب نہ ہو جائے۔ بلکہ اصلاح حال کے طالب بن کر وعظ میں آیا کیجئے۔ اور بیان کو اپنی حالت پر منطبق کر کے یہ دیکھئے کہ یہ بیان موقعہ کا ہے یا نہیں۔ کیونکہ پرانی شے اگر اپنے موقعہ پر ہو تو وہ بھی لذیذ ہوتی ہے۔

دیکھئے بارش حالاں کہ ہر سال ہوتی ہے مگر جب موقعہ پر ہوتی ہے تو اس سے کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح کھانا ہم ہر روز کھاتے ہیں مگر جب وقت پر آتا ہے کہ خوب بھوک لگی ہو تو کتنا لذیذ معلوم ہوتا ہے گو نیا نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی شے کا جدید ہونا مطلوب نہیں بلکہ موقعہ پر ہونا مطلوب ہے۔

غرض! بیان سے اصلاح حال کا قصد کرنا چاہیے اور اس کو اپنی حالت پر منطبق کرنا چاہیے۔حق تعالیٰ نے بھی عاد وثمود کے قصے بیان فرما کر ہم کو تطبیق کا حکم دیا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں "كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ" ①

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی تطبیق کو مقصود بتلایا ہے چنانچہ شروع ہی میں جو بادشاہ اور کنیزک کا قصہ بیان فرمایا ہے تو اس سے پہلے ارشاد فرماتے ہیں۔

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں — خود حقیقت نقد حال ماست آں

نقد حال خویش را گر پے بریم — ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم ②

انطباق وعظ

اور بعض لوگ جو بیان کو اپنے حال پر منطبق بھی کرتے ہیں تو وہ ایک دوسری غلطی میں پڑ جاتے ہیں یعنی وہ وعظ میں بعض امراض کا حال سن کر اور ان کو اپنے حال پر منطبق دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ آج تو ہماری خبر لی گئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کسی نے ہماری چغلی کھائی ہے پھر بدگمانی کر کے کسی کسی سے عداوت کرنے لگتے ہیں۔حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے۔

بات یہ ہے کہ وعظ میں امراض عامہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں اکثر لوگ مبتلا ہیں تو وہ لامحالہ مخاطبین کے حال پر منطبق ہوں گے یہ کیا ضرور ہے کہ کسی نے آپ کی چغلی کھائی ہو۔دوسری عادۃ اللہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ بیان کرنے والے کے دل میں ڈال دیتے ہیں کہ اس وقت فلاں مرض کا علاج بیان کرنا چاہیے اس وقت جو مضمون واعظ کے دل میں آئے گا وہ ضرور موقعہ کے موافق اور سامعین کی حالت پر منطبق ہوگا۔اس کو بدگمانی سے چغلی پر محمول کرنا سخت غلطی ہے اور فرض کرلو کسی نے

① "ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصہ میں سمجھ دار لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے" سورۂ یوسف:۱۱۱

② "اے دوستو اس قصہ کو سنو وہ خود ہمارے موجودہ حال کی حقیقت ہے اگر ہم اپنی موجودہ حالت کا سراغ لگائیں ہم دنیا سے بھی اور عقبیٰ سے بھی پھل کھائیں"

چغلی بھی کھائی ہوتو آپ کا نقصان کیا ہوا۔ آپ کوتو ایک مرض کا علان ہی معلوم ہو گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک مریض طبیب سے اپنا مرض ظاہر کرتے ہوئے شرماتا ہو اور کوئی دوسرا شخص طبیب سے کہہ دے کہ اس کو یہ مرض ہے۔ اور طبیب اس کا علاج بتلا دے تو بتلایئے مریض اس شخص کا شکرگزار ہوگا یا اس سے دشمنی کریگا۔ یقیناً شکرگزار ہوگا۔ اسی طرح آپ کو شکرگزار ہونا چاہیے۔ پس جو لوگ وعظ میں اپنے امراض کا علاج سن کر دوسروں سے ناخوش ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وعظ میں علاج کے واسطے نہیں آتے۔ پس اب نئے مضمون کا انتظار نہ کیجئے بلکہ یہ دیکھئے کہ بیان ضرورت وموقعہ کا ہے یا نہیں؟۔

حصول یکسوئی

اس وقت یہاں کے بعض پریشان کن واقعات اس بیان کے مقتضی ہوئے جن سے پریشانی کا احساس صرف میں نے ہی نہیں کیا۔ بلکہ بعض احباب نے بھی ان واقعات سے اپنی پریشانی ظاہر کی اور یہ ان کے قلوب کی صلاحیت ہے کہ ان کو گناہ سے پریشانی کا احساس ہو اور نہ کثرت گناہ سے دل کا حس خراب ہو جاتا ہے تو گناہ کی پریشانی اور ظلمت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور گو مجھ سے ابتداء واقعہ ہی میں بیان کی درخواست کی گئی تھی۔ مگر میں نے درخواست کو منظور کر کے اس کا انتظار کیا کہ ذرا فی الجملہ یکسوئی ہو جائے تو بیان کروں کیونکہ غلبہ پریشانی میں بیان کا اثر کامل نہیں ہوتا۔ باقی کامل یکسوئی کی ضرورت نہیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے اس کا انتظار بھی فضول ہے اور بعض احباب کی اس درخواست کو چغلی نہ سمجھا جاوے۔ چغلی اس عیب کا اظہار ہے جس کا ضرر عام نہ ہو اور یہاں اس واقعہ کا دینی ضرر عام تھا اس لئے اس کا اظہار اور اس کی اصلاح کی درخواست ضروری تھی اور یہ جو میں نے ابھی کہا ہے کہ کامل یکسوئی کا انتظار فضول ہے یہ اس لئے کہہ دیا کہ بعض

سالکین اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ تعلق مع اللہ پیدا کرنے کیلئے کامل یکسوئی کے انتظار میں رہتے ہیں کہ ذرا بیٹے کی شادی سے فراغت ہو جائے پھر اللہ کی یاد میں مشغول ہونگے بیٹے کی شادی ہوگئی تو اب لڑکی جوان ہوئی اب اس سے فراغت کے منتظر ہیں اس سے فراغت ہوئی تو ادھر لڑکے کے اولاد ہوگئی ۔ اب پوتے کی ختنہ سے فارغ ہونا چاہتے ہیں ۔ پس رات دن اسی سلسلہ میں گرفتار رہتے ہیں کام میں سے کام نکلتا آتا ہے اور فراغت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ دنیا کی حالت ہی یہ ہے کہ لاینتهي ارب الا الی ارب اور دنیادار کی حالت یہ ہے کہ

ہر شے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　باز چوں فرداشود امروز را فردا کنم ①

اس لئے کامل یکسوئی کا انتظار فضول ہے یہ تو دنیا میں پھنس کر ہو ہی نہیں سکتی اس کے حصول کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اسی پریشانی کی حالت میں تعلق مع اللہ کا سلسلہ بھی شروع کردو۔ پھر رفتہ رفتہ اطمینان کلی نصیب ہو جائے گا ورنہ عمریوں ہی ختم ہو جائیگی اور یکسوئی نصیب نہ ہوگی اس لئے میں نے کہہ دیا کہ کامل یکسوئی کا مجھے انتظار نہ تھا۔ ہاں فی الجملہ یکسوئی کا منتظر تھا۔

جمال شریعت

شریعت نے بھی فی الجملہ یکسوئی کا اہتمام کیا ہے چنانچہ حکم ہے: ''اذا حضر العشاء والعشاء ابدوا بالعشاء'' کہ جب کھانا سامنے ہو اور عشاء کی نماز تیار ہو تو نماز کو مقدم نہ کرو بلکہ کھانے کو مقدم کرو۔ سبحان اللہ! اشریعت بھی کتنی آسان ہے کہ ہم کو پریشانی کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ پہلے کھانے سے فراغت کر لینے کی اجازت دی۔

---

① ''ہر رات کو یہ عہد کرتا ہوں کہ کل یہ گناہ چھوڑ دوں گا۔ پھر جب کل کا دن آتا ہے تو اس کو آج قرار دے کر یہ کہتا ہوں کہ کل یہ کام نہیں کروں گا۔ اس طرح روز کل کل کرتا رہتا ہوں بیماری سے چھٹکارا نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کامل یکسوئی نہیں ہوسکتی''

افسوس! اب بھی لوگ شریعت کو دشوار کہتے ہیں۔ صاحبو! آپ نے ڈاکوؤں کو دیکھا ہے اس لئے شریعت کا جمال آپ سے مخفی رہ گیا۔ میں آپ کو شریعت کا جمال دکھانا چاہتا ہوں۔ واللہ شریعت نہایت حسین وجمیل ہے اس کی تو یہ حالت ہے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست ①

باقی مضرات ② سے بچانا اگر سختی ہے اور مہذب بنانا اگر ظلم ہے تو آپ کے باپ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آپکو مار مار کر پڑھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر بننے کے قابل ہو گئے اگر یہ سختی آپ پر نہ کی جاتی تو آج بجز اس کے کہ دو آنہ کے مزدور ہوتے اور کسی قابل نہ ہوتے تو کیا کوئی عاقل اس کو ظلم کہے گا ہرگز نہیں پھر اگر شریعت آپ کو مہذب بنانے کیلئے چند گناہوں اور حرام کاموں سے روکتی ہے تو اس کو ظلم وتشدد کیوں کہا جاتا ہے صاحب اس کے ساتھ شریعت کی سہولت کو بھی تو دیکھئے کہ شریعت میں کتنی سہولت ہے کہ کھانے کو نماز سے مقدم کر دیا۔

مزاج شناسی کی ضرورت

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تم ہر جگہ اس سے کام لینے لگو کہ روزانہ نماز کے وقت ہی کھانا کھایا کرو بلکہ اس کیلئے کچھ حدود ہیں جن کے سمجھنے کے لئے مزاج شناسوں کی ضرورت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان ہیں اور سلاطین کا کلام سمجھنے کیلئے مزاج شناس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر شخص ان کے کلام کو نہیں سمجھتا۔

اس پر میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اس سے اس کا اندازہ ہو جائیگا۔ علی حزیں شاعر ایران کے شاہی خاندان سے تھا اور بڑا نازک مزاج تھا۔ شہزادے

① ''سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوب کی جگہ ہے۔ ② نقصان دہ چیزوں سے بچانا۔

نازک مزاج ہوا ہی کرتے ہیں مگر علی حزیں کی طبیعت بہت ہی نازک تھی۔ ہر شخص اس کا مزاج شناس بننے کے قابل نہ تھا صرف ایک خادم رمضانی نام اس کا مزاج شناس تھا ایران سے جب علی حزیں ہندوستان آیا تو یہی رمضانی اس کے ساتھ تھا جو محض خادم ہی نہ تھا بلکہ خود بھی شاعر اور تعلیم یافتہ تھا۔

علی حزیں کبھی بات شعر کے اندر کرتا تھا۔ رمضانی شعر ہی میں جواب دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ علی حزیں کھانا کھانے بیٹھا اور مکھیوں نے پریشان کیا تو وہ کہتا ہے۔ ''رمضانی مگساں می آیند①''۔ اس نے فوراً جواب دیا۔ ''نکساں پیش کساں می آیند②''

ایک دفعہ رات کو علی حزیں کی آنکھ کھلی اور رمضانی سے پوچھا۔

از شب چہ قدر رسیدہ باشد③

رمضانی نے جواب دیا۔

زلفش بکمر رسیدہ باشد④

اس قسم کے لطیفے ان دونوں کے بہت ہیں ہر وقت رمضانی بے چارہ اس کی نزاکت کا تحمل کرتا تھا نہ رات کو چین تھی نہ دن کو آرام۔ علی حزیں نے اس کی مصیبت کو دیکھ کر شاہ دہلی کو خط لکھا کہ میرے پاس صرف ایک خادم ہے جس پر کام بہت زیادہ ہے ایک خادم مجھے اور دے دیا جائے تا کہ رمضانی کو بھی آرام کا موقعہ مل جایا کرے۔ شاہ دہلی نے اپنا خاص خادم جو نہایت شائستہ اور مہذب تھا بھیج دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ علی حزیں کے یہاں ہر شخص کا گزر مشکل ہے۔ اب اس کی حالت سنیے دو چار دن وہ علی حزیں کے پاس رہا اور رمضانی سے پوچھ پوچھ کر کام کرتا رہا۔ ایک دن یہ دروازہ پر بیٹھا ہوا دربانی کی خدمت انجام دے رہا تھا کہ علی

① مکھیاں آرہی ہیں ② ناتواں سرنگوں ہو کر عقل مند کے سامنے آرہی ہیں۔ ③ ''رات کس قدر باقی ہے'' ④ ''اس کی زلف کمر تک پہنچی ہے (مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی باقی رہ گئی)''

حزیں کے کسی دوست کا ایک رقعہ آیا جس میں ترش لیموں کی فرمائش تھی ۔ شاہی خادم علی حزیں کے پاس جواب لینے کے لئے رقعہ لے گیا۔ وہ اس وقت شطرنج میں مشغول تھا رقعہ پڑھ کر منہ بنا دیا۔ اور رقعہ اس کے حوالہ کیا زبان سے کچھ نہیں کہا۔

یہ بڑا پریشان ہوا کہ یہ بات کیا ہوئی! میں قاصد کو رقعہ کا کیا جواب دوں؟ آخر گھبرایا ہوا رمضانی کے پاس آیا کیونکہ وہی مزاج شناس تھا۔ اس سے سب واقعہ کہا کہ شہزادے نے پڑھ کر زبان سے تو کچھ جواب دیا نہیں صرف منہ بنا دیا۔ اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ رمضانی نے کہا کہ شہزادے نے لیموں دے دینے کی اجازت دی ہے کیونکہ منہ بنانے کو ترش روئی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ترش لیموں دے دو۔ شاہی خادم نے اسی وقت اپنا بستر باندھا اور سیدھا دہلی کا رستہ لیا اور رمضانی سے کہا کہ بھائی یہاں میرا گزر نہیں۔ یہاں تو وہ رہے جس کو کشف والہام ہوتا ہو۔ اور دہلی جا کر بادشاہ سے عرض کیا کہ حضور مجھے علی حزیں کے پاس رہنا منظور نہیں وہاں تو بڑی مصیبت ہے۔ بات بات میں الہام کی ضرورت ہے میں ان کے اشاروں کنایوں کو نہیں سمجھ سکتا۔

صاحبو! حیرت ہے کہ علی حزیں کا مزاج شناس تو رمضانی کے سوا کوئی نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس بننے کا ہر شخص دعوی کرتا ہے بھلا یہ حماقت ہی نہیں ! پس حضور کا کلام سمجھنے کیلئے بھی خاص مزاج شناسوں کی ضرورت ہے۔ وہ کون ہیں؟ حضرات صحابہ وائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

چنانچہ امام صاحب نے اس کا راز سمجھا ہے اور اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے ”لان یکون اکلی کله صلوةً احب الی من ان یکون صلوتي کلها اکلا“ یعنی میرا کھانا نماز بن جاوے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز کھانا بن جاوے۔ یعنی نماز کے انتظار میں کھانا کھانا نماز ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حدیث میں ہے

''لا یزال احدکم في الصلوۃ ما انتظر الصلوۃ''[1] یعنی نماز کا انتظار بھی ثواب کے اعتبار سے نماز کے برابر ہے۔ تو اب جو شخص اس حالت میں کھانا کھا رہا ہے کہ دل نماز کی طرف لگا ہوا ہے اس کو کھانے میں بھی نماز کا ثواب مل رہا ہے۔ اور یہی راز ہے اعتکاف کی فضیلت کا۔ کیونکہ روح اعتکاف انتظار صلوٰۃ ہی ہے۔ معتکف کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ نماز جماعت ہی کی پابندی کیلئے معتکف ہوا ہے۔ اسی لئے اعتکاف کے لئے مسجدِ جماعت شرط ہے۔ جس مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف جائز نہیں پس نماز کے اندر دل اٹکا ہوا ہو۔ اور کھانا کھا رہا ہو تو اس کو نماز کا ثواب اس وقت بھی ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دل کھانے میں اٹکا ہوا ہو تو اس کی نماز کھانا ہو جائے گی۔ وہ گویا نماز میں کھانا کھا رہا ہے۔ پس شریعت نے کھانے کو نماز سے مقدم نہیں کیا بلکہ وہ آپ کے کھانے کو نماز بنانا چاہتی ہے نماز کو کھانا بنانا نہیں چاہتی۔

ہجرت مکہ مکرمہ کے آداب

اسی لئے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر شخص کو مکہ میں رہنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ کیونکہ مکہ میں رہنا ہر اک کا کام نہیں بعضے تو مکہ ایسا جاتے ہیں کہ

خر عیسٰی اگر بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد[2]

چنانچہ ایک نواب پر گورنمنٹ کا کچھ عتاب ہوا اور ان کو جلا وطن کرنا چاہا تو خود نواب صاحب ہی سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں رہنا چاہتے ہیں انہوں نے اپنے لئے مکہ تجویز کیا گورنمنٹ نے ان کو مکہ ہی بھیج دیا۔ اب وہاں جا کر ان کا یہ شغل تھا کہ روزانہ سڑک پر کھڑے ہو جاتے اور عورتوں کو گھورا کرتے تھے۔ بھلا اس طرح مکہ میں رہنے سے کیا فائدہ۔ بلکہ یہ زیادہ مضر ہے کیونکہ جس طرح مکہ میں طاعات

---

[1] سنن الترمذی ۳۳۰، کنز العمال: ۱۹۰۸۴ [2] ''حضرت عیسٰی علیہ السلام کا گدھا اگر مکہ بھی پہنچے جب واپس آئے تب بھی گدھا ہوگا''۔

کا ثواب اور مقامات سے زیادہ ہوتا ہے اسی طرح معاصی کا گناہ بھی اور جگہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

مفسرین نے وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ① کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں نیت معصیت پر بھی کامل مواخذہ ہوتا ہے اس لئے حاجی صاحب ہر شخص کو ہجرت کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ دو قسم کے لوگوں کو ہجرت سے منع کرتے تھے ایک تو کٹر دنیا داروں کو۔ کیونکہ یہ لوگ مکہ کے حقوق کیا ادا کریں گے۔

دوسرے علماء اور مقتداؤں کو۔ علماء کو اس لئے روکتے تھے کہ ان کی ہجرت سے ہندوستان تو بم پلیس ② ہو جائیگا۔ اگر سارے علماء مکہ چلے جائیں گے تو ہندوستان میں فیض کون پہنچائے گا۔ اس لئے گو ان کا دل مکہ جانے کو کتنا ہی چاہے اور یہ وہاں کے حقوق بھی ادا کر سکیں۔ مگر ان کو ہندوستان ہی میں رہنا ضروری ہے بس قید خانہ ہی میں رہیں اور تڑپتے رہیں۔ ان کی یہی ہجرت ہے ان کو ہجرت کر کے مکہ جانا جائز نہیں جبکہ یہ اندیشہ ہو کہ ہمارے جانے سے یہاں دین کا کام مختل ③ ہو جائے گا۔ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی وقت جہاد کا موقعہ ہو تو عالم بلد کو جس کے سوا شہر میں کوئی عالم محقق نہ ہو۔ جہاد میں شرکت جائز نہیں اس کو اپنے گھر ہی پر رہنا چاہیے۔ آج کل لوگ تحریکات کو لئے پھرتے ہیں اور حدود کو نہیں دیکھتے۔ صاحبو! یہاں تو ہر کام کیلئے حدود ہیں۔ چنانچہ جہاد و ہجرت کی ہر اک کو اجازت نہیں۔ بلکہ اس کے لئے بھی حدود ہیں اگر یہ حدود نہ ہوتے اور ان اہل تحریکات کی طرح شریعت بھی بے اصولی سے کام لیتی تو نہ معلوم یہ دین کب کا فنا ہو گیا ہوتا۔ مگر شریعت کے قربان جایئے کہ اس نے ہر کام کے لئے حدود مقرر کر دی ہیں

① ”اور جو شخص اس میں قصداً خلاف دین کام کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیں گے“ ② عوامی پاخانہ ③ دین کے کام میں خلل آئے گا۔

چنانچہ عالم بلد ① کے لئے جہاد سے ممانعت فقہ میں مصرح ہے ② اسی سے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے لئے ہجرت کو ناپسند کیا۔

جہاد نفس

مگر ان کے لیے یہ بھی جہاد ہے کہ دل جہاد کو چاہتا ہے مگر حکم کی وجہ سے نہیں جاتا یہ جہاد نفس ہے اور وہ جہاد کفار ہے اور یہ بھی اس سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہے کیونکہ کفار کو تو شیطان نے گمراہ کیا ہے اور شیطان کو نفس نے گمراہ کیا ہے۔ شیطان کے گمراہ کرنے کو کوئی دوسرا شیطان نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہی نفس تھا جس نے اس کو ابلیس بنادیا ورنہ وہ تو عزازیل تھا تو نفس کا مغلوب کرنا کفار کے مغلوب کرنے سے بھی اہم ہے۔ دوسرے جہاد کفار اس سے آسان بھی ہے یہ بہت سخت ہے کیونکہ وہاں تو ایک بار تلوار چل گئی اور خاتمہ ہوگیا اور یہاں ہر دم ارّہ چلتا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است ③

جو لوگ جہاد نفس میں مشغول ہیں ان کے دل پر جو گزرتی ہے اس کو وہی جانتے ہیں۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند ④

صاحبو! میں بقسم کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہجرت اور جہاد سے شریعت روکتی ہے اور وہ شریعت کے حکم سے اپنے گھر پر رہتا ہے اس کے دل میں جو بے چینی ہوتی ہے اس سے دل میں گھاؤ ہو جاتا ہے دل چاہتا ہے کہ ایک کام کریں اور شریعت کہتی ہے کہ دوسرا کام کرو وہ حکم کی وجہ سے دوسرا کام کرتا ہے مگر کیا اس کو جہاد اور ہجرت کا شوق نہیں ہوتا ضرور ہوتا ہے بلکہ دوسروں سے زیادہ کیونکہ وہ ان

① شہر کے بڑے عالم کے ② فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ ③ ''تسلیم و رضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے'' ④ ''تمہارے پاؤں میں تو ابھی کانٹا بھی نہیں لگا تم ان لوگوں کی حالت کیا سمجھ سکتے ہوں جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے''

کے فضائل سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف ہے مگر اس کی حالت یہ ہے۔

خوشا دقت شوریدگان غمش اگر تلخ بینند وگر مرہمش
دمادم شراب الم در کشند وگر تلخ بینند و دم در کشند
گدایا نے از باد شاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور①

جہاد عشاق

خوب فرمایا ہے دمادم شراب الم در کشند②۔ واقعی عشاق تو ہر وقت جہاد میں رہتے ہیں کہ نفس کو اس کی خواہشوں پر دباتے رہتے ہیں جس سے دل میں زخم اور گھاؤ ہو جاتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ بہ حیرتم کہ عجب تیرے کماں زدہ③

تیر تو لگتا ہوا نظر نہیں آتا مگر گھاؤ موجود ہے پھر کسی کو تو وصل سے سکون ہو جاتا ہے اور ان کی یہ حالت ہے کہ وصل سے دونی آگ بھڑکتی ہے ان کو وصل کی بھی تاب نہیں۔ بس وہ حال ہے کہ۔

من شمع جاں گوازم وتو صبح دل کشائی سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آں چنانم دور آں چناں کہ گفتم نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی④

جب لیلیٰ کے ساتھ مجنوں کا عشق مشہور ہوا تو مجنوں کے باپ نے لیلیٰ کے باپ کو نکاح کا پیغام دیا لیلیٰ کے باپ نے جواب دیا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں مگر مجنوں

① ''اسکے غم میں پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے خواہ اس کے زخموں پر نظر پڑے یا اس کے زخموں پر مرہم۔ دمادم رنج کی شراب پیتے ہیں اگر تلخ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے فقیر ہیں جن کو بادشاہی سے نفرت ہے اور اس کی امید میں گدائی پر صبر کئے ہوئے ہیں''② غٹا غٹ غم کی شراب پیتے ہیں۔③ ''سینہ کے اندر ایک بے نشان زخم مارا ہے میں حیران ہوں بغیر کمان کے اس نے کیسا تیر مارا''④ ''میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا۔ اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی بھی ایسی اس لئے نہ وصل کی تاب رکھتا ہوں نہ جدائی کی طاقت''

کا عشق اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر لیلیٰ سے اس کا نکاح ہو گیا تو اول ہی شب میں مر جائے گا۔ بعض عشاق محبوب حقیقی کو بھی یہ حالت پیش آئی ہے۔

ایک وکیل صاحب نے کسی سے نقل کیا کہ جب ہم حج کو چلے تو ایک شخص ہمارے ہمراہ تھا۔ اور اس کی یہ حالت تھی کہ ہاتھ میں ایک ڈھپڑی ① تھی اسے لے کر گاتا بجاتا اور ناچتا کودتا تھا۔ لوگوں نے کہا میاں تم عجب مسخرے ہو حج کو جاتے ہوئے بھی تم کو یہ مستی سوجھ رہی ہے۔

غرض وہ اسی طرح ہنستا کودتا جا رہا تھا لوگ سمجھتے تھے مسخرہ ہے جب مکہ پہنچے تو وہ بھی طواف بیت اللہ کو چلا جس وقت حرم کے دروازہ پر پہنچے اور مطوف نے کہا دیکھو وہ بیت اللہ ہے۔ بیت پر نظر پڑتے ہی اس شخص کی حالت دگرگوں ② ہوگئی آنسو جاری ہوگئے اور وجد کی سی کیفیت طاری ہوئی اور بے ساختہ یہ شعر پڑھا

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر کہ مباد بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا③

یہ کہتے ہی دھڑام سے گرا اور جان دیدی۔ ہائے بیت کو دیکھ کر اس تک پہنچنے کی بھی تاب نہ ہوئی پہلے ہی جان دے دی۔ اور وہاں پہنچ کر ہی کیا ہوتا وہ بیت سے پہلے رب البیت سے جاملا۔

اشتیاق مکہ مکرمہ

غرض حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے تاکہ ہندوستان میں علمی فیض بند نہ ہو جائے وہ بے چارے ہندوستان ہی کی قید میں رہتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے اس کے متعلق حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دل بمکہ وجسم بہند وستان بہ از انکہ جسم بمکہ ودل ہندوستان ۔یعنی دل مکہ میں اٹکا رہے اور جسم ہندوستان میں ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں ہو اور دل

① ہاتھ سے بجانے والا ایک ساز جس پر کھال مڑھی جاتی ہے ② حالت خراب ہوگئی ③ ''درِ محبوب جب پہنچ جاؤ تو اپنی جان کو اسی پر فدا کر دو پھر شاید تمنائے دل پورا کرنے کا موقع نہ ملے''۔

ہندوستان میں ۔ کیونکہ جو شخص مکہ کے اشتیاق میں رہے وہ گویا ہر وقت مکہ ہی میں ہے گو بظاہر ہندوستان میں ہو اور جو شخص بظاہر مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہو وہ مکہ میں نہیں بلکہ ہندوستان ہی میں ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے جو ظاہر میں بہت اچھے تھے اور مکہ میں ہجرت کر کے رہتے تھے مگر ان میں یہ مرض تھا کہ ہندوستان کو بہت یاد کرتے تھے۔ چنانچہ مرض الموت میں ان پر بے ہوشی طاری ہوئی تو بار بار زبان سے یہ نکلتا تھا کہ ہندوستان لے چلو۔ خدام کو بڑی پریشانی ہوئی کہ مکہ سے ہندوستان کیونکر لے چلیں لوگ تو مکہ میں مرنے کی تمنا کرتے ہیں ہم اپنے ہاتھوں ان کو یہاں سے کیونکر نکال دیں پھر ان کی حالت سفر کے قابل نہ تھی مگر ان کا بار بار یہی اصرار تھا اور جان نہ نکلتی تھی ۔ بعضے خدام ذہین تھے انہوں نے یہ کیا کہ ان کے پلنگ کو ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں لے گئے اور کہا حضرت ہندوستان آ گیا۔ پس یہ سنتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور فوراً انتقال ہو گیا۔ گویا وہ اپنے نزدیک ہندوستان میں مرے پھر اس حالت میں ہجرت کرنے سے کیا نفع ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابدءوا بالعشاء قبل العشاء کا یہی راز سمجھا ہے کہ جو شخص کھانا نماز سے پہلے کھائیگا اس کا دل نماز میں اٹکا رہے گا اس حالت میں وہ کھانا بھی نماز میں داخل ہوگا اور جو شخص نماز کھانے سے پہلے پڑھے گا اس کا دل کھانے میں اٹکا رہے گا تو اس کی ساری نماز کھانا بن جاوئے گی ۔ پس اس تعلیل سے یہ مستفاد ہوا کہ یہ اس شخص کیلئے ہے جس کو شدت سے بھوک لگی ہو کہ وہ اگر نماز پہلے پڑھے گا تو اس کا اشتیاق کھانے ہی کی طرف رہے گا ہر شخص کیلئے نہیں مگر ہر حال میں اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ شریعت نے بھی یکسوئی کا اہتمام کیا ہے اگر کامل یکسوئی نہ ہو تو بقدر ضرورت تو ہونا چاہیے۔ اسی لیے مجھے اس بیان کیلئے فی الجملہ یکسوئی کا انتظار تھا۔

چنانچہ اب بحمد اللہ بہت کچھ یکسوئی ہوگئی اور اس پریشانی کا خاتمہ ہوگیا (جس شخص نے اپنی منکوحہ لڑکی کا دوسرا نکاح ایک اور شخص سے کیا تھا اس پر شوہر اول نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے میری ہتک عزت کی اور میری بیوی مجھ کو ملنی چاہیے۔ عدالت نے یہ مقدمہ باہمی تصفیہ کے لئے ثالثوں کے سپرد کر دیا۔ ثالثوں نے لڑکی پہلے شوہر ہی کو دلوادی فیصلہ شریعت کے موافق ہوا۔ ۱۲ جامع) اور خاتمہ بھی اچھا ہوا مگر خاتمہ کے اچھا ہونے سے پہلی کوتاہیاں معاف نہیں ہوگئیں۔ وہ ہنوز قابل تلافی ہیں ان کا تدارک ہونا چاہیے۔

دیکھئے اگر کسی شخص کا خاتمہ کلمہ پر ہو تو گزشتہ گناہوں سے استغفار و توبہ بھی تو ضروری ہے محض خاتمہ اچھا ہونے سے پہلے گناہوں کی تلافی نہیں ہو جاتی اس لئے میں اسوقت ان ہی پہلی کوتاہیوں کی اصلاح کا طریقہ بتلانا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ پر اس واقعہ کا بے حد اثر تھا۔ اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ اپنے بھائیوں کو اصلاح کا طریقہ بتلاؤں جس کا آج بحمد اللہ موقعہ مل گیا۔ میرے اشتیاق کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ میں آج کل اچھا نہیں ہوں عرصہ سے طبیعت ناساز ہے اس لئے میں اپنی بستی میں کہیں آنے جانے سے یہ عذر کر دیتا ہوں کہ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ [1] (حضرت اقدس کے زانو میں عرصہ سے درد ٹھہرا ہوا ہے بہت علاج ہوئے مگر ہنوز افاقہ نہیں ہوا۔ شفا اللہ تعالیٰ وعافاہ شفاء کاملاً لا یغادر سقما وعافیۃ تامۃ تعم روحا و جسما آمین ۱۲ جامع پھر بحمد اللہ تعالیٰ ایسی شفا ہوگئی کہ درد کا واقعہ یاد کرنے سے بھی یاد نہیں آتا۔ والحمد للہ۔ اشرف علی) مگر پھر بھی میں یہاں آیا۔ گو سواری میں آیا ہوں مگر پھر بھی تکلیف تھی کیونکہ بہلی میں چڑھنا اور اس سے اترنا بھی درد کو بڑھاتا ہے۔

---

[1] لنگڑا اگر حاضر نہ ہو معذور ہے۔

علماء پر نا اتفاقی کا الزام

اب میں اس حدیث کا ارتباط اس واقعہ سے بتلاتا ہوں کیونکہ بظاہر ربط نہیں معلوم ہوتا سو بات یہ ہے کہ گو بظاہر اس واقعہ میں ایک نکاح کا معاملہ تھا۔ مگر اسکا منشا یہ تھا کہ بعض لوگوں کے معاملات دوسروں سے شگفتہ نہ تھے قلوب میں باہم تخالف تھا اسی نا اتفاقی کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی۔ پس منشا اس کا وہی امر تھا جس کی بابت اس حدیث میں وعید ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایاکم وفساد ذات البین یعنی باہم تعلقات کے بگاڑنے سے بچو۔ یہاں لفظ فساد اختیار کرنے میں ایک علمی نکتہ ہے جس کو بعض اہل علم بھی نہ جانتے ہوں گے اس لیے میں اس کو بتلاتا ہوں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ایک غلطی پر ہم کو متنبہ کیا ہے وہ یہ کہ آجکل یہ لفظ لوگوں کی زبان زد ہے کہ باہم اتفاق و اتحاد رکھنا چاہیے نا اتفاقی بری چیز ہے اور علماء میں جو بعض مسائل میں اختلاف ہے اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ہے کہ علماء رات دن نزع ہی میں رہتے ہیں لڑتے بھڑتے ہیں اور امت میں تفریق پیدا کرتے ہیں اور صرف یہی ایک الزام نہیں ہر قسم کا الزام علماء ہی کو دیا جاتا ہے۔

انگریزی تعلیم کی ممانعت کا الزام

چنانچہ ایک عہدہ دار صاحب نے جو کہ ایک تقریب میں ہمارے یہاں مہمان تھے میرے بچپن میں علماء پر اعتراض شروع کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور حکومت کے عہدے لینے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ عہدوں ہی سے مسلمانوں کی عزت ہے اور وہ بغیر انگریزی کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اول اول تو میں نے صبر کیا خاموش رہا۔ کیونکہ وہ معترض صاحب مہمان تھے۔ مگر جب وہ اس سلسلہ کو دراز ہی کرتے رہے تو مجھ سے نہ رہا

گیا۔ میں نے کہا صاحب مجھے آپ کی باتوں پر صبر کرتے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔ مگر آپ بات کو بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں اس لئے اب مجبوراً میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجھے اس وقت اس سے تو بحث نہیں کہ مسلمانوں کی ترقی انگریزی پڑھنے پر موقوف ہے یا نہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اسی پر موقوف ہے اور بدوں اس کے مسلمانوں کو ترقی نہیں ہوسکتی مگر اس پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے انگریزی نہ پڑھنے کا الزام آیا علماء پر لگانا صحیح ہے یا غلط۔ سو میں پوچھتا ہوں کہ کیا علماء صرف انگریزی ہی سے منع کرتے ہیں یا علم دین حاصل کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ اب بتلایئے کسی اور بات سے بھی منع کرتے ہیں۔ یقیناً وہ بہت سی باتوں سے منع کرتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنے غیبت کرنے اور کسی کا حق دبانے۔ مسلمان انگریزی علماء کے منع کرنے سے نہیں پڑھتے تو ان کے کہنے سے علم دین کیوں نہیں پڑھتے۔ اگر یہ مولویوں کا اثر ہوتا تو دوسری باتوں میں بھی تو ہوتا۔ صرف اسی ایک بات میں کیوں اثر ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان انگریزی پڑھنے میں دوسری قوموں سے اپنی سستی کی وجہ سے پیچھے ہیں کہ ان سے محنت نہیں ہوتی یا افلاس کی وجہ سے کہ ان کے پاس انگریزی تعلیم کے مصارف کیلئے رقم نہیں۔ علماء کے منع کرنے سے کوئی نہیں رکتا (الا ماشاء اللہ وھو نادر والنادر کالمعدوم ۱۲) مگر آجکل تو الزام ملنے میں علماء کی وہی حالت ہے۔ جیسے ایک بھٹیاری کی حکایت ہے گو حکایت تو فحش ہے۔ مگر مولانا نے اس سے بھی زیادہ فحش حکایتیں مثنوی میں لکھی ہیں۔ اور ان سے علوم نکالے ہیں اس لئے بیان کرتا ہوں۔

قصہ یہ ہے کہ ایک سپاہی سرائے میں ٹھہرا اور بھٹیاری کو کھانا پکانے کے لئے جنس دی۔ بھٹیاراں اکثر جنس چرایا کرتی ہیں اس لئے سپاہی اس کے پاس

مسلط ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ آنکھ بچا کر کچھ چراؤں مگر سپاہی نے موقع ہی نہ دیا۔ اب اس نے یہ تدبیر کی کہ جب سپاہی کھانا کھانے بیٹھا تو ساتھ میں اپنے لڑکے کو بھی بٹھا دیا کہ تو بھی کھالے۔ شریف آدمی کو دسترخوان پر سے کسی کا اٹھانا گوارا نہیں ہوتا۔ اس لئے سپاہی خاموش ہو گیا۔ اتفاق سے بھٹیاری کی ریح زور سے صادر ہوئی اس نے خفت اتارنے کو اپنے بچے کے ایک دھپ لگایا کہ دور موے کھانا کھاتے ہوئے یہ کیا کرتا ہے۔ سپاہی کو انتقام کا موقع ملا اس نے قصداً ریح صادر کی۔ اور زور سے ایک چپت لڑکے کے رسید کیا اور کہا یاد رکھ کرے گا کوئی مگر پٹے گا تو ہی۔ اس سے بھٹیاری کو بھی بتلا دیا کہ تیری حرکت کو میں سمجھ گیا ہوں بس یہی حال آج کل کے مسلمانوں نے علماء کا کر رکھا ہے کہ کرے گا کوئی مگر الزام انہی پر ہوگا۔ انگریزی نہ پڑھنے کا الزام بھی مولویوں پر اور مسلمانوں کے تنزل و افلاس کا الزام بھی علماء پر اور جاہلوں کے مرتد ہونے کا الزام بھی انہی پر، مسلمانوں کی نااتفاقی کا الزام بھی انہی پر۔

گیارہویں کا اختلاف

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مولویوں نے مسلمانوں میں تفریق کر دی ہے ایک بات کو بعض مولوی جائز کہتے ہیں بعض ناجائز۔ ایک جگہ وعظ کہنے کا اتفاق ہوا جس میں گیارہویں کی رسم سے منع کیا۔ وعظ کے بعد ایک داروغہ صاحب جو گیارہویں کے معتقد تھے کہنے لگے کہ صاحب علماء کے اختلاف نے ہم کو پریشان کر دیا آپ تو گیارہویں کو منع کرتے ہیں اور فلاں مولوی صاحب جائز کہتے ہیں۔ ہماری بڑی مشکل ہے کس کی بات کو مانیں؟۔ میں نے کہا داروغہ صاحب۔ میں اس بات کے جواب سے پہلے آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جس طرح آپ ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب گیارہویں کو جائز کہتے ہیں۔ ایمان سے بتلایئے

کبھی آپ نے ان سے بھی کہا کہ فلاں مولوی صاحب اس کو نا جائز بتلاتے ہیں اب ہم کیا کریں؟ بس اب تو کھوئے گئے اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔ میں نے کہا داروغہ صاحب اتنا تو دروغ[1] نہ بولو۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تحقیق مقصود نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ گیارہویں کرنا چاہتے ہیں اس لیے جس کی بات مرضی کے موافق ہوتی ہے وہ آپ کے دل کو لگتی ہے اور جس کی بات خواہش نفس کے خلاف ہوتی ہے اس پر اعتراض ہے اگر تحقیق مطلوب ہوتی تو جو اعتراض آپ یہاں کر رہے ہیں کبھی وہاں بھی تو کیا ہوتا۔ بے چارے تھے منصف اپنی غلطی کا اقرار کرلیا

خطبۃ الوداع کا اختلاف

ایسے ہی الوداع کے خطبہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب مولویوں کے اختلاف نے تنگ کر دیا۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ اعتراض دونوں جگہ کیوں نہیں کیا جاتا یہ تو الزامی جواب ہے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ پہلے لوگ تو رمضان کے عاشق تھے ان کو واقعی رمضان کے جانے کا رنج ہوتا تھا۔ اس لئے ان کو الوداع کے خطبہ کا حق تھا مگر اب تو لوگ دوسرے معنی میں رمضان کو الوداع کرتے ہیں یعنی رخصت دور دور۔ حالت یہ ہے کہ زبان سے تو الوداع کا خطبہ ہو رہا ہے۔ ظاہر میں رو رہے ہیں اور اب تو کوئی روتا بھی نہیں۔ بلکہ منہ تک بھی نہیں بناتے بلکہ دل میں خوش ہیں کہ اچھا ہوا رمضان ختم ہو گیا۔ اب خوب کھائیں پئیں گے۔

صاحب! الوداع کا خطبہ پڑھ سن کر کچھ تو غم زدوں کی حالت سی بنائی ہوتی مگر یہاں تو یہ مستیاں ہیں کہ شِیر کے لئے آٹھ آنہ سیر اور بارہ آنہ سیر دودھ خریدتے ہیں۔ ارے غمزدوں کی یہی صورت ہوتی ہے جس کے سر پر غم کا پہاڑ ٹوٹا

[1] جھوٹ

ہو کیا اس کو شیر کے اہتمام کی بھی سوجھتی ہے؟ ہم تو جب جانیں کہ کسی کا باپ وداع ہو جائے اور اس کے مرجانے پر شِیر پکا کر کھائے۔ تو بہ! یہاں تو اگر کوئی اس کا نام بھی لے دے تو اس کو کچا کھا جائیں کہ کمبخت! ہمارا تو باپ مرے اور تو ہمیں شِیر کی ترغیب دلاتا ہے۔ اگر رمضان کے جانے کا رنج ہوتا تو یہاں بھی یہی حالت ہوتی۔ بہر حال ممانعت کے وجوہ موجود مگر مانع پر اس کا پھر بھی الزام۔ کہ مولویوں کے اختلاف نے عوام میں اختلاف پیدا کر دیا اس لئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی کسی سے نزاع نہ کرے سب اتفاق و اتحاد سے رہیں۔

باہمی اتفاق کا طریق کار

پھر بعض تو اہل حق ہی سے کہتے ہیں کہ آپ کو دوسروں سے اتفاق کر لینا چاہیے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں سے کہتے ہیں کہ دونوں کو باہم اتفاق کر لینا چاہیے یہ لوگ اہل حق کو بھی اہل باطل سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مجرم سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ اتفاق رکھنا چاہیے۔ خواہ تو وہ ان کی بات کو مان لیں اور اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کو ان کی بات مان لینا چاہیے کیونکہ اختلاف مذموم [1] ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اختلاف مطلقاً مذموم ہے تو پھر آج سے اگر کاشتکار آپ کی زمین کا لگان نہ دے تو اس کی نالش [2] نہ کرنا کیونکہ نالش کرنا نزاع [3] ہے اور نزاع مطلق مذموم ہے اور اگر وہ گھر مانگے اور اس وقت اس سے پوچھا جائے کہ تو ہمارا گھر کیوں لیتا ہے اور وہ یہ جواب دے کہ ناحق لیتا ہوں اور اگر آپ نے گھر نہ دیا تو مجھ میں اور آپ میں اتفاق نہ رہے گا۔ اختلاف ہو جائے گا تو آپ کو چاہیے کہ نزاع سے بچنے کیلئے اپنا گھر بھی اس کو دیدیں۔ اور اگر وہ زمین دبالے تو اتفاق کیلئے زمین بھی دیدو۔ جیسے دہلی میں شہزادہ ثریا جاہ نے

---

① اختلاف کرنا برا ہے ② اس پر مقدمہ نہ کرنا ③ مقدمہ کرنا جھگڑا کرنا ہے اور جھگڑنا برا ہے۔

تماشا کیا تھا کہ وہاں ایک واعظ صاحب کسی مسجد کے مکان پر تولیت کے بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے اور حق تولیت ثابت کرنے کیلئے ایک استفتاء بھی لکھا تھا۔ جس پر بڑے بڑے علماء کے دستخط کرانا چاہتے تھے۔

چونکہ ان کے زعم میں بعض علماء ثریا جاہ کے اثر میں تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے یہ کام کرانا چاہا۔ ثریا جاہ کو ایک صاحب نے پہلے سے خبر کر دی کہ کل فلانے ایک مولوی صاحب اس قسم کا استفتاء لائیں گے اور وہ تولیت کے بہانہ سے مسجد کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ثریا جاہ نے کہا بہت اچھا میں ان کا اچھی طرح علاج کر دوں گا کہ پھر اس کا نام لینا بھی بھول جائیں گے۔ چنانچہ اگلے دن مولوی صاحب پالکی پر سوار ہو کر ان کے مکان پر آئے انہوں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اور صدر پر بٹھلایا اور چائے پان وغیرہ سے خوب تواضع کی۔ پھر پوچھا کہ جناب نے کیسے تکلیف فرمائی کوئی خدمت میرے لائق ہو تو ارشاد فرمائے۔ کہا جی ہاں ۔ مجھے ایک استفتاء پر علماء کے دستخط کرانے ہیں آپ دستخط کرا دیجئے۔ ثریا جاہ نے استفتاء کو پڑھا اور پڑھ کر اپنے خزانچی کو بلایا کہ ہمارے خزانہ کی کنجیاں مولانا کے سپرد کر دو اس نے کنجیاں لاکر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا یہ تو خزانہ کی کنجیاں ہیں اور یہ گھر مع سامان کے حاضر ہے اگر آپ کو گھر کی ضرورت ہے تو میں اپنا گھر اور اپنا خزانہ پیش کر سکتا ہوں لیکن خدا کا گھر نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد باہر نکل کر محلّہ والوں کو پکارا کہ بھائی ذرا یہاں آنا سب لوگ گھبرائے کہ آج ثریا جاہ کو کیا ہو گیا جو یوں باولوں کی طرح چلّا رہا ہے۔ لوگ جمع ہو گئے تو ثریا جاہ نے سب سے کہا کہ بھائی یہ مولوی صاحب مجھ سے خدا کا گھر مانگتے تھے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کو مکان کی ضرورت ہو تو میں اپنا گھر دے سکتا ہوں خدا کا گھر نہیں دے سکتا اب تم

سب گواہ رہو کہ آج سے یہ گھر میرا نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہے میرے لئے اگر تھوڑی سی جگہ ایک جھونپڑے کے برابر آپ لوگ دے دیں گے تو میں اسی میں اپنا گزر کرلوں گا۔

اس ترکیب سے مولوی صاحب کی تو یہ حالت ہوئی کہ ان کا رنگ زرد ہو گیا ان میں کاٹو تو خون نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے مارے ندامت کے کانپنے لگے اور ثریا جاہ سے کہا شہزادے صاحب مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا مجھے بھی آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ذریعہ سے خدا کے گھر پر قبضہ کرنا چاہیں گے۔

بس مولوی صاحب تو اسی وقت ہانپتے کانپتے بخار کی حالت میں سوار ہو کر اپنے گھر چلے گئے اور مہینوں تک گھر سے باہر نہ نکلے اور ادھر تمام شہر میں اس واقعہ کا شور ہو گیا کہ فلاں مولوی صاحب مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد پھر ان کو دعویٰ تولیت کی ہمت نہ ہوئی تو جیسے ثریا جاہ نے رفع نزاع کے لئے اپنا گھر اور خزانہ پیش کر دیا تھا۔ ایسے ہی آپ بھی کر دیا کیجئے مگر وہاں تو مولوی صاحب نے گھر لیا نہیں تھا لیکن کاشتکار کو اگر تم دینا چاہو گے وہ تو سب کچھ لے لے گا ذرا اس طرح کر کے دیکھو ان شاء اللہ گھر کا صفایا ہو جائے گا۔

تحقیق حق

اب انصاف سے بتلایئے کہ اگر کاشتکار اس قسم کی ناحق حرکتیں کرے تو آپ کو اس سے اختلاف و نزاع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر آپ نالش [1] کر دیں تو کیا کاشتکار کی طرح آپ بھی اختلاف کے مجرم ہوں گے یا صرف کاشتکار ہی مجرم ہو گا۔ آپ ضرور کہیں گے کہ مجرم صرف کاشتکار ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیوں؟ اختلاف تو طرفین نے کیا تھا پھر ایک ہی مجرم کیوں ہوا آپ ضرور کہیں گے

[1] مقدمہ

کہ وہ باطل پر ہے اور ہم حق پر ہیں اور اہل باطل کو اہل حق سے اختلاف کرنے کا حق نہیں۔ اور صاحب حق کو صاحب باطل سے اختلاف کا حق ہے بَارَكَ اللهُ جزاك اللہ بس تمہارے ہی اقرار سے اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف محمود① اور ایک اختلاف مذموم۔ اختلاف محمود وہ ہے جو صاحب حق کو صاحب باطل سے ہو۔ اور مذموم وہ ہے جو اہل باطل کو صاحب حق سے ہو۔ پھر علماء کے اختلاف میں یہ اقسام کیوں جاری نہیں کی جاتی۔

یہاں اختلاف ہو تو دونوں جماعتوں کو کس لئے مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ کہ آپ سے کسی کا اختلاف ہو وہاں تو دو قسمیں نکل آویں اور علماء کے اختلاف ایک ہی قسم میں داخل ہو۔ پس جہاں حق متعین و معلوم ہو۔ وہاں تو اہل باطل کو اتفاق پر مجبور کرنا چاہیے کہ تم اہل حق سے نزاع نہ کرو جیسے حاکم ایک فریق کو دوسرے فریق کی بات ماننے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حاکم کا فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو پھر خود سرکار اس فریق کی مخالف اور مقابل بن جاتی ہے اور گو ظاہر میں یہ بھی اختلاف ہے مگر اس پر ہزار اتفاق قربان ہیں کیونکہ یہ اختلاف احداث نزاع② کیلئے نہیں بلکہ رفع اختلاف کیلئے ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کو کرنا چاہیے کہ جہاں علماء میں اختلاف ہو اور ایک جماعت کا حق پر ہونا معلوم ہو وہاں اہل باطل کو اہل حق کے راستہ پر آنے کیلئے مجبور کریں اور اگر وہ نہ مانیں تو سب مل کر ان کی مخالفت کریں اور جہاں حق معلوم نہ ہو وہاں کسی کو بھی مجبور نہ کریں بلکہ پہلے حق کی تحقیق کریں۔ قاعدہ عقلیہ کا مقتضی یہی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ جہاں دو مولویوں میں اختلاف دیکھا اور لگے دونوں کو برا کہنے۔

---

① اچھا اختلاف اور برا اختلاف ② جھگڑا پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ اختلاف دور کرنے کے لیے ہے۔

حدود اتفاق

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے بس اتنا یاد کرلیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے لا تفرقوا افتراق نہ کرد۔ مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا ① کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ حبل اللہ پر متفق ہو کر اس سے تفرق نہ کرو تو اب مجرم وہ ہے جو حبل اللہ ② سے الگ ہو۔ اور جو حبل اللہ پر قائم ہے وہ ہرگز مجرم نہیں گو اہل باطل سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔ پس یاد رکھو کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اور نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے بلکہ اتفاق محمود وہ ہے جو حبل اللہ کے اعتصام پر ہو ورنہ کفار نے بھی تو بت پرستی پر اتفاق کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا ③ کہ تم لوگوں نے حیات دنیا میں اتحاد اور دوستی قائم کر کے چند بتوں کو معبود بنا لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کفار میں اتحاد و اتفاق تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَاؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا ④

ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور اہل باطل سے

---

① ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو'' ② اللہ کی رسی ③ سورۃ العنکبوت: ۲۳ ④ ''تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان لوگوں میں جو کہ ان کے شریک حال تھے عمدہ نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا'' سورۃ الممتحنۃ: ۴۔

صاف صاف بیزاری کا اعلان کر دیا اور فرما دیا کہ قیامت تک کیلئے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت و بغض قائم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اسطرح اتفاق کرنا محمود نہیں کہ وہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور اسی حالت میں ہم ان سے اتفاق کر لیں ۔ بلکہ اس صورت میں تو ان سے بیزاری اور اختلاف و عداوت رکھنا ہی مطلوب ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اتباع① نے کیا اور انہی کی اقتداء کا حق تعالیٰ ہم کو حکم فرما رہے ہیں۔

عوامی اتفاق

مگر آج کل تو لوگ ایسا اتفاق چاہتے ہیں جیسا کہ نعمان خاں نے اتفاق کرنا چاہا تھا یہ ایک ان پڑھ شخص ہیں مگر اہل کتاب سے مناظرہ کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ کوئی پادری کہہ رہا تھا کہ عیسٰی علیہ السلام (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ عیسٰی علیہ السلام اندھوں کو سوانکھا کرتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اندھے کو سوانکھا نہیں کیا۔ نعمان خاں نے جواب دیا کہ لاؤ یہ تو میں کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں ۔ وہ پادری یک چشم تھا۔ کہنے لگا اچھا تم میری دونوں آنکھوں کو برابر کر دو۔ اب آپ نے کہا نبی اور امتی میں کچھ فرق ہونا چاہیے نبی تو دوسری آنکھ کو بینا کر کے دونوں کو برابر کرتے مگر میں یہ کر سکتا ہوں کہ تندرست آنکھ کو بھی پھوڑ دوں اس سے بھی دونوں برابر ہو جاویں گی اور اس کے بعد اس کی آنکھ میں انگلی دینے لگے کہ بولو پھوڑ دوں اس سے مجمع کو ہنسی آ گئی اور پادری کی تقریر کا رنگ اکھڑ گیا اور یہ حضرت جیت گئے۔ گو بات بے ڈھنگی تھی۔ مگر آجکل مناظرہ میں ایسے ہی لوگ اچھے رہتے ہیں۔ کیونکہ آجکل جیتنے اور ہارنے کا مدار اس پر ہے کہ مجلس پر کسی کا اثر جم جائے اور مقابل کا رنگ اکھڑ جائے۔ چاہے بات معقول ہو یا نامعقول ہو۔ چنانچہ ایک گنوار کا قصہ ہے، وہ بازار میں گزر رہا تھا۔

① پیروکاروں نے کہا۔

سڑک کے کنارہ پر ایک پادری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں گنوار نے آگے بڑھ کر پادری سے پوچھا کہ تیرا خدا کتنی عمر کا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی کوئی ابتداء ہی نہیں وہ تو آسمان وزمین سے بھی پہلے موجود تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ گنوار نے کہا کہ اتنی بڑی عمر میں تیرے خدا کے ایک ہی بیٹا ہوا۔ تیرے خدا سے تو میں ہی اچھا رہا اس وقت میری عمر پچاس سال سے زیادہ ہے اور اس وقت بیس بچے میرے ہو چکے ہیں اور اگر زندہ رہا تو اور بھی ہوں گے تو تیرے خدا سے تو میں ہی اچھا ہوں اس جواب سے پادری لا جواب ہو گیا۔ لوگوں نے اسے دھمکایا کہ بے وقوف خدا کی شان میں بے ادبی کرتا ہے کہا میں اپنے خدا کو تھوڑا ہی کہتا ہوں میں تو اس کے خدا کو کہتا ہوں جس کا بیٹا یہ عیسیٰ علیہ السلام کو بتاتا ہے۔

اسی طرح مولوی مسیح الدین الہ آبادی کے والد ان پڑھ تھے مگر بہت عاقل و دانا تھے اور اس کے ساتھ مالدار بھی تھے۔ ایک دفعہ وہ جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک پادری کو تقریر میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ عیسائی دنیا میں بہت زیادہ ہیں اور مسلمان کم ہیں اس سے ثابت ہوا کہ عیسائی مقبول ہیں۔ انہوں نے پادری سے خطاب کیا کہ یہ تو کوئی دلیل حقانیت کی نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ ابھی اسٹیشن پر چلیں ہم دکھلا دیں گے کہ تھرڈ کلاس کا مسافر زیادہ ہوتا ہے اور فسٹ کلاس بہت کم ہے پس مسلمان فسٹ کلاس ہیں اور تم تھرڈ کلاس ہو۔ پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یہ حکایتیں تو درمیان میں تبعاً آ گئیں۔ زیادہ مقصود پہلی حکایت تھی کہ جس طرح مولوی نعمان خاں نے اس پادری کی دونوں آنکھیں برابر کرنا چاہی تھی اسی طرح آجکل لوگ اہل حق واہل باطل میں یوں اتحاد کرانا چاہتے ہیں کہ اہل حق بھی اپنی آنکھوں کو پھوڑ کر کانے لوگوں کے برابر ہو جائیں۔ حالانکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ کانوں سے یہ کہا جاتا کہ تم اپنی ایک آنکھ بنوا کر

سوانکھوں ① میں داخل ہو جاؤ۔

اختلاف محمود

اگر نزاع و اختلاف مطلقاً مذموم ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جا سکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب اختلاف شمار کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم توحید سے تمام عرب میں ہل چل مچادی۔ اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہباً تمام اہل عرب متحد تھے مگر دعویٰ توحید کے بعد سب میں پھوٹ پڑ گئی مگر یہ اختلاف محمود تھا کیونکہ ابطال باطل ② پر تھا۔

معلوم ہوا کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ③ ہے نہ اتفاق مطلقاً محمود ④ ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اختلاف کا لفظ نہیں اختیار فرمایا کیونکہ اختلاف ہر حالت میں ممنوع و موجب ملامت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ فساد اختیار فرمایا کہ آپس میں بگاڑ اور فساد ڈالنے سے بچو اور فساد کا مصداق وہی امر ہے جو خلاف شرع اور معصیت ⑤ ہو۔ فساد میں محمودیت کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ہمیشہ مذموم ہی ہوگا۔ خواہ اس کا مصداق اتفاق خلاف شرع ہو یا نا اتفاقی ہو لفظ فساد دونوں کو عام ہے صرف نا اتفاقی اور اختلاف ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ پس اب ان لوگوں کو اجتماع کا موقع نہیں رہا جو اختلاف کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ ہی کو اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ فساد فرمایا ہے تو مذمت کے قابل وہ شخص ہے جو مفسد ہو اور مفسد وہ ہے جو شریعت سے ہٹا ہوا ہے اور شریعت پر قائم رہ کر جو کوئی دوسروں سے اختلاف کرے وہ مفسد ہرگز نہیں گو اختلاف اور مخالفت کرنے والا ہے۔ اور اگر کسی روایت میں بجائے فساد کے

① آنکھوں والوں میں ② باطل کو مٹانے کے لیے تھا ③ برا ④ پسندیدہ ⑤ گناہ۔

اختلاف کا لفظ وارد ہوا ہو تو بقاعدہ الاحادیث یفسر بعضھا بعضا[1] ان سے مطلق اختلاف مراد نہ ہوگا۔ بلکہ خاص وہ اختلاف مراد ہوگا جو فساد میں داخل ہو۔

مذمت فساد

اس کے بعد ارشاد ہے فانھا ھي الحالقة یعنی فساد باہمی سے اس لئے بچو کہ وہ مونڈنے والی چیز ہے لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

یعنی فساد باہمی سے دین برباد ہو جاتا ہے۔ شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس حدیث میں ایک دین کا ضرر بتلایا ہے سو اس سے دنیا داروں کو کیا خوف۔ تو سمجھ لیجئے کہ دین ایسی شے نہیں ہے جس کے ضرر سے دنیا کا ضرر نہ ہو۔ دین کا ضرر وہ چیز ہے جو دنیا کے ضرر کو بھی موجب ہے۔ کیونکہ گو دین کے ساتھ دنیا کم ملتی ہے مگر پر لطف ہوتی ہے اور بدوں دین کے خود دنیا بے لطف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا ضرر ہوگا حق تعالیٰ فرماتے ہیں" مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً "[2]

لطف زندگانی

شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب دین کے ساتھ مال زیادہ نہیں ملتا تو پھر لطف زندگانی کیا خاک ہوتا ہوگا۔ تو خوب سمجھ لیجئے کہ لطف زندگانی کا مدار مال پر نہیں ہے بلکہ نشاط طبیعت پر ہے۔

لکھنؤ میں ایک نواب صاحب تھے ان کی یہ حالت تھی کہ بکری کے قیمہ کو کپڑے میں پوٹلی بنا کر چوستے تھے جب ہضم ہوتا تھا۔ اگر ذرا سی بوٹی کھا لیتے تو

---

[1] حدیث بعض بعض کی تفسیر ہوتی ہے [2] "جو نیک عمل کرتے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہم اس کو حیات طیبہ عطا کریں گے" سورۃ النحل: ۹۷

دست لگ جایا کرتے۔ ایک دن یہ اپنے بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے ایک لکڑ ہارا آیا اور اس نے ایک درخت کے نیچے اپنا بوجھ رکھا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر ہوا لی۔ اس کے بعد ندی میں گومتی میں منہ ہاتھ دھویا اور سکون کے بعد چادرہ میں سے چار روٹ ① موٹے موٹے نکالے اور پیاز و نمک کے ساتھ چاروں کو کھا گیا۔ اور وہاں زمین پر لیٹ کر سو کر خراٹے لینے لگا تو نواب صاحب نے اس کی صحت اور یہ حالت دیکھ کر حسرت کے ساتھ اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں خوشی کے ساتھ اس پر راضی ہوں کہ اس کی صحت اور غریبی مجھے مل جاوے اور میری ساری دولت اس کو مل جاوے۔

معلوم ہوا کہ کثرت مال پر لطف زندگانی کا مدار نہیں بلکہ اس کا مدار نشاط روح پر ہے وہ غریب جو دونوں وقت چٹا اور مٹر ہضم کر لیتے ہیں۔ ان رؤسا سے ہزار درجہ افضل ہیں جن سے دو چپاتی بھی ہضم نہیں ہوتی۔ کیونکہ غرباء بھوک کے وقت کھانا کھاتے ہیں اور کھانے کے بعد محنت و مشقت ریاضت وغیرہ کرتے ہیں تو سب ہضم ہو جاتا ہے۔ اور رؤسا تو کمیٹی اور مشورہ کر کے کھاتے ہیں ان کو خاک بھی کھانے کا لطف نہیں آتا۔ اسی طرح اور کاموں کے اندر بھی ان کو نشاط روح حاصل نہیں ہوتا۔

اب میں بانگ دہل ② کہتا ہوں کہ لطف زندگانی جو کچھ ہے دیندار کے پاس ہے دنیا دار کے پاس کچھ نہیں اور اگر کسی دنیا دار کو لطف میں دیکھا بھی جاتا ہے تو وہ یا تو دنیا کا اثر نہیں بلکہ اس حصہ دین کا اثر ہے جو اس کو حاصل ہے اور جس قدر اس کے دین میں کمی ہے اتنا ہی لطف بھی کم ہے اور یا اس کی ظاہری حالت سے دھوکا ہوتا ہے اندرونی حالت کی تفتیش کی جاوے تو پریشانی ہی ثابت ہوگی اور یا اس نے حقیقی لطف دیکھا نہیں اس لئے وہ اس صورت لطف کو لطف سمجھتا ہے۔

① موٹی موٹی روٹیاں ② پورے وثوق سے کہتا ہوں۔

کیفیت اہل اللہ

اور راز اس کا وہی ہے کہ لطف وراحت اور چیز ہے اور سامان لطف وراحت اور چیز ہے۔ جن اسباب دنیا کو لوگ سامان راحت سمجھتے ہیں اگر حقیقی راحت نہ ہوتو واللہ حقیقت میں وہ عذاب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَٰلُهُمۡ وَأَوۡلَٰدُهُمۡۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي ٱلدُّنۡيَا ۔ ①

واقعی بعضے اموال و اولاد تو عذاب ہی ہو جاتے ہیں ۔ جیسے ایک شخص کثیر العیال② تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ میاں تمہارے یہاں خیریت بھی ہے تو وہ بڑا خفا ہوا اور کہا ہمیں کوستے ہو۔ خیریت کسی رنڈے منڈے کے یہاں ہو گی ہمارے یہاں خیریت کیوں ہونے لگے کہ ماشاء اللہ بچوں اور بہوؤں سے گھر بھرا ہوا ہے کسی کے آج کان میں درد ہے کسی کی ناک دکھتی ہے۔ کسی کے چوٹ لگ گئی ہے کوئی گر پڑا ہے۔

ہمارے یہاں کہاں خیریت ۔ ہائے بس اس شخص کا عمر بھر یہ حال رہتا ہے۔

چو میرد مبتلا میرد جو خیز و مبتلا خیزد ③

جاں ہمہ روز ازل کد کوب خیال میشود مجروح وخستہ و پائمال
نے صفائی ماندوش نے لطف وفر نے بسوئے آسماں راہ سفر ④

اور مولانا فرماتے ہیں۔

---

①''ان کے مال اور ان کی اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب میں نہ ڈالیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ان کو دنیا میں عذاب دیں'' سورۃ التوبہ:۸۵ ② بچے زیادہ تھے۔③'' جب مرتا ہے مبتلا مرتا ہے، جب اٹھتا ہے مبتلا اٹھتا ہے''④'' انسان کا دل ہر وقت خیالات کی کشمکش سے زخمی اور بدحال و برباد رہا کرتا ہے۔ نہ اس میں صفائی رہتی ہے اور نہ زندگی کا لطف اور شان باقی رہتی ہے اور نہ اس کو نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ باقی رہتا ہے''۔

بھلا ان لوگوں کو کیا لطف زندگی۔ اور ان کے مقابل اہل اللہ کی یہ کیفیت ہے کہ اگر ان کے پاس کچھ ہو تو خوش نہ ہو تو خوش۔ دنیادار کو یہ بات کہاں نصیب اسے تو کبھی ایک شے کے ہونے کا رنج ہے اور کسی چیز کے نہ ہونے کا غم ہے اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آئینہ چینی آیا جو بہت قیمتی تھا حضرت نے خادم سے فرمادیا کہ جب ہم کنگھا کیا کریں اس کو سامنے رکھ دیا کرو (یہ بات مہدی کی تطییب قلب کے لئے فرمادی ۱۲)① خادم اس کو وقت پر لے آیا کرتا۔ اتفاق سے ایک روز خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ خادم کو عتاب② کا اندیشہ ہوا ڈرتے ڈرتے سامنے آیا اور عرض کیا

از قضا آئینہ چینی شکست③

قضا اس لئے بڑھادی تا کہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے کیونکہ شیخ آخر کو عارف تھے تقدیر کا نام سن کر زیادہ تیز نہ ہوں گے حضرت نے فوراً جواب دیا۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست ④

بھلا بتایئے ایسا شخص کیا غمگین ہوگا اس کے پاس غم کہاں جس کو نہ کسی چیز کے جانے کا غم نہ آنے کی خوشی یہ تو حالت ان کی محبت کی ہے۔ اور خوف کی یہ کیفیت ہے کہ ایک بادشاہ کسی درویش کے یہاں پہنچے خانقاہ کے دروازہ پر ایک مرید بطور دربان کے بیٹھا تھا جب بادشاہ دروازہ خانقاہ پر پہنچا تو دربان نے روک دیا کہ میں شیخ سے دریافت کرلوں یہ شیوخ کے خدام بڑے آزاد ہوتے ہیں یہ اپنے شیخ کے سامنے کسی بادشاہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ بادشاہ کو اس روک ٹوک سے غصہ تو آیا مگر تہذیب کی وجہ سے وہ کچھ بولا نہیں۔ بالآخر شیخ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بادشاہ کو اندر آنے کی اجازت دے دی یہ تو بھرا ہوا تھا ہی۔

---

① یہ بات ہدیہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لیے کہہ دی ② ڈانٹ ڈپٹ کا خوف ہوا ③ ''آئینہ چینی قضا سے ٹوٹ گیا'' ④ ''اچھا ہوا کہ خود بینی کے اسباب ٹوٹ گئے''

درویش سے سلام ومصافحہ کرتے ہی اعتراض جڑ دیا کہ

در درویش را در باں نباید①

انہوں نے فوراً بے ساختہ فرمایا۔

بباید تا سگ دنیا نیاید②

بادشاہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ آخر ان کو خوف کا ہے کا ہو۔ بہت سے بہت بادشاہ یہ کرے گا کہ جان لے لے گا تو جان تو پہلے ہی سے اتری ہوئی رکھی ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر است③

پھر جس کو نہ کسی سے طمع ہو نہ خوف ہو اس کے لطف کا کیا پوچھنا۔ حقیقت میں اس کو حیات طیبہ حاصل ہوگی۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ④ میں پھر کہتا ہوں کہ اہل اللہ کے پاس گو مال زیادہ نہ ہو مگر لطف انہی کے پاس ہے۔

لذت غم آخرت

شاید کوئی کہے کہ ان کو ایک غم بھی تو ہے آخرت کا پھر لطف کہاں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ غم خود لذیذ ہے اگر یہ کہو کہ غم تلخ ہوتا ہے تلخی میں لذت کہاں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے پاس بھی اس کی نظیر موجود ہے کہ تلخ چیز لذیذ ہے۔ دیکھئے لوگ مرچیں کھاتے ہیں اور غایت تیزی وتلخی سے منہ سے آنکھ سے پانی جاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ میاں روتے ہو تو بس جانے دو مت کھاؤ۔ تو کہتے ہیں واہ اسی میں تو مزہ ہے جن لوگوں نے دہلی کا حلیم کھایا ہے۔ (نہ معلوم کس نے

---

① ''درویش کے دربار میں دربان نہ ہونا چاہئے'' ② ''ضرور ہونا چاہئے تا کہ کتا نہ آسکے ③ '' تسلیم ورضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے'' ④ ''جو کوئی اچھے اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت دراں حالیکہ وہ مسلمان ہو تو ہم اس کو حیات طیبہ عطا فرمائیں گے''

اس کا نام حلیم رکھ دیا۔ یہ تو غضب ناک بلکہ عذاب الیم ہے) وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیسی لذت ہوتی ہے۔ میں نے بھی ایک دفعہ کھایا تھا بہت ہی مرچیں تھیں مگر لذیذ ایسا تھا کہ ایک رکابی کے بعد دوسری خریدی پھر تیسری خریدی پہلے مجھے مرچوں کا بہت شوق تھا اور والد صاحب زیادہ مرچیں کھانے سے منع کیا کرتے تھے کہ اس سے نقصان ہوگا اس وقت ان کی بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی لیکن جب بڑھاپا آیا تو ان کی بات ٹھیک نکلی۔ اب میں دوسرے جوانوں کو مرچوں سے منع کرتا ہوں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تو میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ تو نے بھی تو والد صاحب کی بات کو مانا نہ تھا۔ اسی طرح یہ تیری بات کو نہیں مانتے۔ اور لیجئے تمبا کو اکثر لوگ کھاتے پیتے ہیں جو کچھ مزہ کا نہیں ہوتا بلکہ کڑوا ہوتا ہے مگر جو لوگ اس کے عادی ہیں ان کو اس تلخی ہی میں لذت آتی ہے۔

چنانچہ ایک تمبا کو فروش سے کسی نے کہا کہ بہت کڑوا تمبا کو دینا اس نے ایک تمبا کو کو دکھا دیا۔ خریدار نے کہا اس سے بھی کڑوا دے تو وہ دکاندار کہتا ہے کہ بس جی (توبہ توبہ) اس سے کڑوا اللہ کا نام استغفر اللہ نعوذ باللہ کمبخت نے عنوان بہت برا اختیار کیا باقی مطلب میں کچھ کفر نہیں کیونکہ کڑوا ہونا اس کے نزدیک صفت کمال تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے کامل تر اللہ کا نام مگر عنوان بہت برا تھا۔

اسی طرح جب کوئی کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو اس کو اپنی ذلت اور رسوائی میں مزا آتا ہے چنانچہ عاشق اسی لئے اپنی عزت وغیرہ سب خوشی سے قربان کر دیتا ہے۔ جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کی بیوی بہت حسین تھی مگر پھر بھی وہ کمبخت ایک بازاری عورت پر عاشق تھا اس کی بیوی نے خیال کیا شاید وہ کچھ مجھ سے زیادہ حسین ہوگی جو میاں کو اُدھر ہی التفات ہے اور مجھ سے بے رخی ہے اتفاق

سے ایک دن وہ بازاری عورت خود اس شخص کی بیٹھک میں آئی بیوی کو خبر ہوئی تو اس نے جھانک کر دیکھا تو وہ اتنی کالی تھی کہ کوے سے بھی زیادہ۔ اب بیوی کو بڑی حیرت ہوئی۔ میاں کو اس کی کون سی ادا بھائی ہے وہ سوچ رہی تھی کہ اتنے میں شوہر باہر سے آیا تو بازاری عورت نے صورت دیکھتے ہی اس کے چار جوتے لگائے کہ بھڑوے تو اب تک کہاں تھا ہم تو انتظار میں سوکھ گئے اور تیرا پتہ ہی نہیں جوتے کھا کر میاں صاحب ہنسے اور اس کی خوشامدیں کرنے لگے بیوی نے بھی یہ انداز دیکھے تو سمجھ گئی کہ اس مرد کو مار کھانے ہی میں مزا آتا ہے۔ اب جو شام کو مرد گھر میں آیا تو بیوی نے بھی چار جوتے لگائے کہ نالائق اب تک کہاں تھا۔ دن بھر سے تیرا پتہ نہیں کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ تو آپ ہنس کر فرماتے ہیں کہ بی! بس تیرے اندر اسی کی کسر تھی۔ اب میں کہیں نہ جاؤں گا۔ اب تو گھر میں ہی دعوت موجود ہے۔

حضرت جیسا عشق مجازی کی یہ کیفیت ہے کہ اس سے ذلت خوشگوار ولذیذ ہو جاتی ہے تو عشق حقیقی کا کیا کہنا مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلی بود گوے گشتن بہر او اولیٰ بود①

اور کہتے ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم②

پس اہل اللہ کو اگر غم آخرت لذیذ ہو جائے اور لوگوں کے سخت کلمات میں مزا آنے لگے تو کیا تعجب ہے۔ اب اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہ رہا کہ جتنا دین کامل ہو گا اتنی ہی لذت ولطف زندگانی میں ترقی ہوگی گو سامان زیادہ نہ ہو۔

حقیقت راحت

لوگ آجکل سامان راحت کو مقصود سمجھتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر کسی پر پھانسی

① ''محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے'' ② ''ہم اگر قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی ومحبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں''

کا مقدمہ قائم ہو جائے اور سامان راحت اس کے پاس سب کچھ ہو تو کیا اسے کچھ راحت ہوگی ہرگز نہیں اور کچھ نہیں۔ اور اگر ایک لنگوٹا بند بھی اس کے ساتھ قید ہوا ہو اور چند روز کے بعد وہ رہا ہو جائے تو گو اس کے گھر میں سامان راحت کچھ نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ رہائی کی خبر سن کر اس کے یہاں کیسی عید آئے گی۔

معلوم ہوا کہ راحت اور چیز ہے اور سامان راحت اور چیز ہے یہ ضروری نہیں کہ جس کے پاس سامان راحت ہو اس کو راحت بھی حاصل ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس کے پاس سامان راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہ ہو اور میں فقط دلیل ہی سے نہیں بلکہ مشاہدہ سے دکھلاتا ہوں کہ آپ ایک تو کامل دیندار شخص کو لیں مگر ہم جیسا دیندار نہیں بلکہ واقع میں کامل دیندار ہو اور ایک نواب یا رئیس کو لے لیں پھر ان کی نجی حالت کا موازنہ کریں تو واللہ ثم واللہ ثم واللہ وہ دیندار تو آپ کو سلطنت میں نظر آئے گا اور یہ نواب و رئیس مصیبت میں گرفتار نظر آئے گا مشاہدہ کے بعد تو آپ مانیں گے کہ راحت کا مدار سامان پر نہیں۔ باقی میں سامان سے منع نہیں کرتا بلکہ دین کے برباد کرنے سے منع کرتا ہوں اگر دین کے ساتھ یہ سامان دنیا بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر دین کو برباد کر کے اس کو جمع کرنا سخت حماقت ہے جس سے خاک راحت نصیب نہیں ہوتی شریعت نے ضعفاء کو سامان راحت جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض عارفین بھی کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں وہ بھی جمعیت قلب کیلئے کچھ سامان رکھتے ہیں مثلاً کپڑوں کے چار جوڑے اور سال بھر کا اناج۔ سو دین کی نگہداشت کے ساتھ اس کا بھی مضائقہ نہیں مگر عبدالدینار وعبدالدرہم[1] ہونا برا ہے۔ اس کیلئے حدیث میں وعید وارد ہے تعس عبد الدینار وتعس عبد الدرھم ان اعطی رضي وان لم یعط سخط[2] پس تین قسم کے لوگ

[1] درہم و دینار کا بندہ ہو جانا برا ہے [2] سنن ابن ماجۃ: ۴۱۳۵۔ مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۴۸ مشکوۃ المصابیح ۵۱۶۱

ہوئے ایک تو کامل دیندار کہ دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک کامل دنیا دار جو اسی میں منہمک ہے اور اس کی حالت مستسقی ① جیسی ہے جس طرح اس کو پانی سے ایک منٹ کو صبر نہیں ہوتا اسی طرح اس کو دنیا کی فکر سے کسی دم فرصت نہیں وہی حال ہے۔

حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیر د تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی ②

بس ایسا ہونا برا ہے اور اسی پر حدیث میں وعید ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جو دین پر قائم ہے مگر حصول اطمینان کے لئے بقدر ضرورت سامان رکھتا ہے یہ برا نہیں۔

فساد باہمی کے اثرات

الغرض دین کو چھوڑ کر سامان راحت موجب راحت نہیں ہوتا۔ مسلمان کیلئے تو ہے ہی نہیں گو کفار کیلئے ہو۔ شاید کوئی کہے کہ جب کفار کو سامان راحت سے بدون دیں کے راحت مل جاتی ہے تو ہم کو کیوں نہ ملے گی اس کا جواب یہ ہے کہ آخر تمہارا کوئی مالک بھی ہے؟ یقیناً ہے بس ان کی عادت ہے کہ وہ مسلمان تارک دین کو راحت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ دین کا ضرر ایسا ضرر ہے جس سے دنیا کی راحت بھی برباد ہو جاتی ہے۔ پس فساد سے اول دین کا ضرر ہوتا ہے اور دین کے ضرر سے دنیا بھی برباد ہوتی ہے اور صاحب فساد سے دنیا کا برباد ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کیلئے مقدمات و دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ مشاہدہ ہی کافی ہے چنانچہ پہلا اثر فساد کا یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت ہو جاتی ہے۔ ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے پھر عداوت میں ہر قسم کے ضرر کا احتمال ہوتا ہے گو دشمن ضعیف ہی ہے بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔

دانی کرچہ گفت زال با رستم گرد دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد

① جس کو استسقاء کا مرض ہو کہ جتنا چاہے پانی پی لے پیاس ہی نہیں بجھتی ① نہ ان کے محسن کی انتہاء نہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی جیسے جلندھر کا مریض پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہتا ہے ایسے ہی محبوب کا بیان باقی رہ گیا''۔

یعنی دشمن کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے مانا کہ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا مگر دشمنی نکالنے کی اور بہت صورتیں ہیں۔

کرانہ میں ابھی ایک قصہ ہوا کہ ایک صاحب کا عالی شان مکان تازہ بنا ہوا تھا رات کو اس میں کسی نے آگ لگا دی۔ صاحب مکان سے تو کسی کو عداوت نہ تھی وہ تو بے چارے بڑے اچھے اخلاق کے ہیں مگر اس مکان میں ایک سپاہی کرایہ دار رہتا تھا اس نے محلہ والوں میں سے کسی کی نالش کر دی تھی وہ دشمن ہو گیا۔ اور انتقام کا منتظر رہا وہ سپاہی مکان کے بالا خانہ پر رہتا تھا اور نیچے کا حصہ مقفل تھا جس میں مالک مکان کا بہت کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ اس دشمن نے رات کو روشندان کے ذریعہ سے یا کسی اور راستہ سے مکان کے حصہ زیریں میں مٹی کا تیل ڈالا پھر دیا سلائی اندر پھینک دی۔ مٹی کے تیل میں آگ لگنا غضب ہے تھوڑی ہی دیر میں تمام سامان میز کرسیاں صندوق وغیرہ جل گئے اور آگ کے شعلے چھت تک پہنچے تو کڑیوں میں بھی آگ لگ گئی وہ سپاہی مع اپنے اہل وعیال کے اوپر پڑا ہوا سو رہا تھا کہ دفعتاً اس کو زمین سے گرمی محسوس ہوئی۔ اگر تھوڑی دیر وہ اور توقف کرے تو ہلاک ہو جاتا مگر اس نے نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے فوراً اپنے بچوں اور بیوی کو چھت سے علیحدہ کر کے زینہ سے نیچے اتار لیا۔ ان کا اترنا تھا کہ چھت فوراً گر پڑی اور اب آگ کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ کیونکہ اب تک تو چھت حائل تھی۔ اس لئے آگ اندر ہی اندر رہی جب چھت گر پڑی تو شعلے بلند ہونے لگے۔ اب محلّہ والوں کو خبر ہوئی اور سب چار طرف سے دوڑے اور پانی ڈالنے لگے مگر کیا ہوتا تھا اس وقت پانی بھی مٹی سے تیل کا کام دے رہا تھا۔ لوگوں نے آگ بجھانے کی ہزار تدبیریں کیں مگر سب بے کار ہوگئیں۔ تین دین کے بعد آگ کو سکون ہوا۔ تو صاحب! کمزور آدمی مقابلہ نہ کر سکے تو یہ حرکتیں تو کر سکتا ہے کہ گھر میں آگ لگا

دے رات کو اینٹیں پتھر پھینک دے۔

اسی لئے عقلاء کہتے ہیں کہ دشمن چاہے چمار ہی کیوں نہ ہو وہ بھی برا۔ کسی کو دشمن بنانا اچھا ہی نہیں ۔ پھر کمزور آدمی مقابلہ سے اسی وقت تک رکتا ہے جب تک اسے جان کا خوف ہو اور اگر کوئی جان پر کھیل جائے تو مقابلہ بھی مشکل نہیں ۔ بریلی کا قصہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کوتوال بڑے جاہ وجلال کے تھے وہ گالیاں بہت دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کانسٹیبل کو گالی دیدی جو شاید راجپوت تھا یا برہمن اسے گالی کا تحمل نہ ہوا جان پر کھیل گیا اور موقعہ پا کر کوتوال پر اور اس کے ایک بیٹے پر ہاتھ صاف کر دیا۔ بعد میں اسے بھی پھانسی ہوگئی۔ غرض بعض کمزور دشمن جان پر کھیل جاتا ہے تو مقابلہ بھی کر بیٹھتا ہے۔ پس فساد باہمی کا پہلا عذاب تو یہ ہے کہ طرفین کو ایک دوسرے کی عداوت سے اندیشہ اور خوف ہو جاتا ہے اور یہ خوف کا عذاب سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس سے ہر وقت دل میں کانٹا سا چبھتا رہتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں سے اول خوف ہی کی نفی کی ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ①

پھر جب ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے اندیشہ ہو گیا تو اب ایذاء رسانی کا سلسلہ چلا کیونکہ قاعدہ یہ ہے۔

ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم وگر با چنوں صد بر آئی بجنگ
ازاں مار بر پائے راعی زند کہ داند سرش را بکو بد بسنگ

دشمنوں میں سے ہر ایک کو یہ فکر ہوتی ہے کہ پہلے میں حملہ کروں چنانچہ سانپ اسی لئے پہلے کاٹتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نہ کاٹوں گا تو انسان مجھے کاٹ ڈالے گا۔

---

① ''ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ حزن وملال''

ایک دفعہ میں کھنگجورے کو مار رہا تھا ایک صاحب کہنے لگے کیوں مارتے ہو میں نے کہا یہ موذی ہے اس لئے مارتا ہوں کہنے لگے اس نے تم کو تو کچھ ایذا نہیں دی میں نے کہا قتل الموذی قبل الایذاء۔ کہنے لگے کہ وہ بھی اسی قاعدہ سے ایذاء پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا پھر اسے الایذاء① کہنے لگے کہ وہ اسی قاعدہ سے ایذا پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا پھر اسے کس نے منع کیا ہے وہ بھی اس قاعدہ سے کام لے ہم بھی کام لیں۔ جس کا بھی موقعہ لگ جائے سو عداوت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اس کی فکر میں رہتا ہے اور یہ اس کی فکر میں ۔۔ بس دق سی② لگ جاتی ہے اور ہر شخص کا حال مدقوق③ سا جاتا ہے دونوں کے دل کو گھن لگ جاتا ہے۔

① تکلیف دینے والے جانور کو تکلیف دینے سے پہلے ہی قتل کردو ② ٹی بی کا سا مرض ③ بیٹی والے کا سا ہوا۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (زوجین کا فساد)۔

اخبار الجامعۃ
ماہ جولائی و اگست 2024ء

اسفار

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی (مہتمم جامعہ ہذا)

☆24 جولائی: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے جامعہ خیر المدارس ملتان شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

☆ 10 اگست: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے سعودی ایمبیسی کی دعوت پر اسلام آباد عشائیہ میں شرکت فرمائی جہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے امام الشیخ صلاح البدیر حفظہ اللہ تعالیٰ و دیگر زعماو سُفرا اور وزراء و مشائخ علماء کرام سے خصوصی ملاقات فرمائی۔

☆14 اگست: یوم آزادی کی مناسبت سے جامعہ کے مرکز سمیت برانچوں میں تقریبات منعقد کی گئیں۔ مانگا منڈی 2 شاخوں میں ڈاکٹر رشید احمد تھانوی صاحب، دار الفلاح و کامران بلاک حضرت مہتمم صاحب و نائب مہتمم صاحب (زید مجدھما) کی صدارت میں طلباء نے تلاوتِ قرآن، حمد و نعت، ملی ترانے، عربی، اردو، انگلش زبان میں ولولہ انگیز تقاریر کر کے جذبہ حبُ الوطنی کا اظہار فرمایا۔ حضرت نائب مہتمم صاحب مدظلہ نے تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کی مساعی جمیلہ اور گراں قدر خدمات کی مختصر و جامع تاریخ سے آگاہ فرمایا۔

آخری خطاب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ''آزادی کی نعمت'' پر پاکستان میں دینی مدارس کے معاشرے میں بہترین ثمرات کو اُجاگر فرمایا۔

بحکم حضرت مہتمم صاحب مجلس کا اختتام (استاذ الجامعہ) مولانا محمد اکرام صاحب نے دعاء خیر کے ساتھ فرمایا جس میں ملک پاکستان کی سلامتی و شہداء اسلام و غازیان اسلام و دیگر قربانیاں دینے والوں کے حق میں دعا فرمائی۔

☆18 اگست: دن 11;30 بجے ''جامعہ دار التقوی چوبرجی'' دار القرآن جدید عمارت کے افتتاح کے موقع پر حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ نے تلاوت فرمائی۔

بعد نماز ظہر جامعہ کے سابق استاذ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ کے پوتوں قاری کفایت اللہ صاحب کے بیٹوں کی تقریب آمین میں شرکت فرما کر آخری سبق پڑھایا اور دعاء خیر سے نوازا۔

تعلیمی رپورٹ: الحمد اللہ جامعہ کے ابتدائی طلباء نے علم تجوید و درس نظامی کے ساتھ ساتھ نہم کلاس بورڈ کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ امتحان میں کل 111 طلباء شریک ہوئے اور 81 طلباء مکمل پاس ہوئے مجموعی کامیابی کا تناسب 73 فیصد رہا جس پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اساتذہ کرام و طلباء اور والدین کو مبارک باد پیش فرمائی۔